قفس گزیدہ

محی الدین نواب

نہ مدعی نہ گواہی حسابِ پاک ہوا
یہ خونِ خاک نشیناں تھا رزقِ خاک ہوا

آنکھوں میں خواب سجانے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی... مگران خوابوں کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کی ایک قیمت ضرور ادا کرنی پڑتی ہے... یہ خواب ہی ہیں جو انسان کے اندر شدید طلب اور تمنا کو اُجاگر کرتے ہیں... ایک ایسے ہی نوجوان کی داستان جس نے ہمیشہ بلندیوں پر پہنچنے کے خواب دیکھے تھے... کرکٹ کا میدان... اس کا خواب ہی نہیں... عشق تھا کھیل اور کھلاڑی کے گرد گھومتی ایک تیز رفتار کہانی کے لامتناہی رنگ... اپنی ذات سے محبت... کھیل سے محبت... ریشمیں جذبوں سے محبت... اپنے وطن سے محبت... اور پھر موت سے محبت... حقیقی واقعات اور خوابوں کی تمثیل پر مبنی روح کو تار تار کر دینے والی کہانی کے روپ در روپ...

دیارِ غیر میں اس چشم بینا کا سفر جوزادِ حیات سمیٹے تلاشِ حق میں سرگرداں تھا...

کیا طرفہ تماشا ہے...؟

کہیں ''چھکے'' لگانے کے لیے مہارت ضروری ہوتی ہے اور کہیں ''چھکوں'' کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

دعا کے لیے جذبے کی ضرورت ہوتی ہے تب ہی انسان کی کوئی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ التجا میں تڑپ ہو تو سننے والا تڑپ اٹھتا ہے اور جھولیاں مرادوں سے بھر دیتا ہے۔

وہاں سب کی ایک ہی مراد تھی، ایک ہی ضرورت تھی۔

اور وہ ضرورت تھی صرف ایک ''چھکے'' کی...

''چھکے'' بھیک میں نہیں ملتے۔ ذہانت، حاضر دماغی اور قوتِ بازو سے ملتے ہیں۔

''چھکے'' کی قدر تو کوئی کسی کھلاڑی سے پوچھے۔ اناڑی کیا جانے ''چھکے'' کا نشہ...؟

ایک ہی شاٹ میں بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

اور وہاں بیڑا اٹکا ہوا تھا۔ اُف... پسینے چھوٹ رہے تھے۔ پار ہونا تھا... مگر خوار ہونا منظور نہیں تھا۔

سر کا پسینا پیشانی سے رینگتا ہوا آ کر گھرے ابروؤں

میں اٹک گیا تھا۔ چمکیلی دھوپ سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ محبوب خان نے اپنے ہیلمٹ کو ٹھیک کر کے بلے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر زمین پر یوں بجایا، جیسے کامرانی کے دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

آخری اوور کی آخری گیند اور آخری چانس تھا۔ جب سانسیں آخری ہوں تو زندگی کو جیتنے کے لیے پھیپھڑوں کا پورا زور لگایا جاتا ہے۔ مخالف کے ہدف سے صرف پانچ رنز کی دوری تھی۔ چھکا بہت ضروری تھا۔ جم کے شاٹ لگانا تھا۔

اس کے حمایتی تماشائی حوصلہ بڑھانے کے لیے پُرجوش نعرے لگا رہے تھے۔ جبکہ مخالفین کے حمایتی ہار جیت کے فیصلے سے پہلے ہی انہیں ناکام ٹیم قرار دے رہے تھے۔ جو اپنے تھے، وہ چھکے کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ پرائے کہہ رہے تھے، آخری وقت دعائیں کام نہیں آتیں۔ لازماً دم نکلتا ہے۔ مات ضرور ہوتی ہے۔

چند ہی لمحوں میں ہار کی شرمندگی اور جیت کی واہ واہ ہونے والی تھی۔

محبوب خان نے ایک بار پھر بلے پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے باؤلر کو دیکھا۔ وہ گیند کو صاف کر رہا تھا، رگڑ رہا تھا۔ وہ اسپنر تھا۔ گھما کر گیند پھینکتا تھا اور بلے باز کو گھما کر رکھ دیتا تھا۔ اُدھر محبوب خان بھی پکا بازی گر تھا۔ گھومتی ہوئی گیند پر ایسے بلا گھماتا تھا کہ فیلڈرز دونوں ہاتھ اٹھائے اڑتی ہوئی گیند کو کیچ کرنے کی دعائیں مانگتے رہ جاتے تھے۔

باؤلر نے محبوب کو دیکھا۔ زیرِلب مسکرایا۔ پھر آہستگی سے رن اپ لیتے ہوئے پچ پر آ کر پوری قوت سے گیند اس کی طرف پھینکی۔ محبوب خان کی نگاہیں گیند پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر تیزی سے آتی ہوئی گیند پر ایک زوردار شاٹ لگا۔

تماشائی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔ ”آل دی بیسٹ...“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ مخالفین کی طرف سے ”ہائے ہائے...“ کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ تقریباً سب ہی کی نگاہیں گیند پر جم گئی تھیں۔ اُدھر محبوب خان اپنے ساتھی کھلاڑی کے ساتھ رنز بنانے کے لیے دوڑا۔ اس کی تجربہ کار نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ کام بن گیا ہے۔ گیند کی رفتار اور بلندی سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مخالفین کے چھکے چھڑا کر ہی رہے گی۔

اِدھر دو رنز کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اسکور بورڈ بڑھ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت وہ مقامی اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اٹھا۔ جیت کے نعرے لگ رہے تھے۔ ”محبوب اِز دی بیسٹ...“

دوا مجرب ہو تو دعا کو ضرور شرفِ قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اس نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے تھے۔

ایک حمایتی نے خوش ہو کر کہا۔ ”جہاں محبوب خان ہو، وہاں جیت نہ ہو... یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔“

کسی نے کہا۔ ”ابھی انڈر نائنٹین ہے۔ دیکھ لینا، پاکستانی ٹیم کو چار چاند لگا دے گا۔“

ایک نے اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔ ”جیت تو ”خان“ کی سرشت میں شامل ہوتی ہے۔ دنیا گواہ ہے، کرکٹ کے میدان سے لے کر شوبزنس کی رنگینیوں تک یہ ”خان“ جہاں بھی ہیں، کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں۔“

ایک شخص نے کہا۔ ”ہمارا محبوب خان بھی یقیناً اس ہسٹری میں اپنا نام شامل کر کے ہی دم لے گا۔ ہمارے علاقے کی شان بڑھ جائے گا۔“

”یہ تو ویسے بھی ہمارے علاقے کی شان ہے، جان ہے۔“

محبوب خان دستانے اور ہیلمٹ اتارتا ہوا میدان سے باہر جا رہا تھا۔ چہرے پر فتح مندی کی چمک اور مسکراہٹ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کھیل میں کامیابی کے لیے اس نے اپنے والد سے ایک شرط لگائی تھی اور اسے پہلی بار میچ کی جیت سے زیادہ اس شرط کے جیت جانے کی خوشی ہو رہی تھی۔ اس نے دائیں طرف تماشائیوں کو دیکھا۔ وہاں ماں باپ اور بھائی بہن ہاتھ لہرا لہرا کر اسے وِش کر رہے تھے۔ اس نے بھی جواباً ہاتھ لہرایا۔

اس کی مسکراتی ہوئی نگاہیں باپ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔ ایسے وقت اس نے دیکھا کہ باپ اپنی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکال رہا ہے۔ پھر اس نے وہ ہاتھ بلند کر کے بیٹے کو دکھایا۔ اس میں ایک پاسپورٹ دبا ہوا تھا۔

وہ پاسپورٹ اس کے لیے ورلڈ کپ تھا۔ اسے دیکھتے ہی محبوب خان کی باچھیں کھل گئیں۔ جیسے گرین سگنل ملا تھا۔ اس نے فضا میں ایک مکا بلند کر کے خوشی سے نعرہ لگایا۔ ”یا ہُو...!“

☆☆☆

محبوب خان کی تو راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ چھوٹی بہن اس کے کمرے میں آئی تو وہ پاسپورٹ کو سینے سے لگائے نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔ بہن نے بیڈ کے سرہانے کو ایک انگلی سے بجایا۔ ”ٹھک ٹھک...“ کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔

وہ بولی۔ ”واہ بھائی جان! بھارت جانے کی ایسی خوشی ہے کہ نہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہیں، نہ باتیں

کرتے ہیں۔ بس کھانا کھاتے ہی یہاں آ کر پاسپورٹ اور ویزے کو سینے سے لگا کر لیٹ جاتے ہیں۔“

اس نے کہا۔ ”ارے میری پگلی بہن! یہ خوشی بھارت جانے کی نہیں ہے بلکہ پاک بھارت لائیو کرکٹ سیریز دیکھنے کی خوشی ہے جو مجھے سونے بھی نہیں دیتی۔ میں کیا بولوں؟ ابو نے میرا ایک بہت بڑا خواب پورا کر دیا ہے۔“

وہ بیڈ کے سرہانے بیٹھ کر بولی۔ ”جانتے ہیں، ابھی میں ابو سے لڑ رہی تھی۔“

”وہ کیوں...؟“

”انہوں نے تین روزہ سیریز کے لیے تیس دنوں کا ویزا کیوں لگوایا؟“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”یہ ضروری نہیں ہے کہ تیس دنوں کا ویزا ہے تو اتنے ہی دنوں تک وہاں رہوں گا۔ جیسے ہی سیریز ختم ہوگی، چلا آؤں گا۔“

وہ خوش ہو کر بولی۔ ”سچ...؟ آپ ایک مہینے سے پہلے ہی آ جائیں گے؟“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں کیونکہ تم لوگوں کے بغیر دل نہیں لگے گا اور جب کرکٹ سیریز ہی ختم ہو جائے گی تو وہاں رہ کر کیا کروں گا؟ سارا لالچ، ساری کشش تو اُس میچ کو لائیو دیکھنے کی ہے۔ اُف...! تم سوچ بھی نہیں سکتیں، مجھے تو ابھی سے ممبئی وانکھیڑے اسٹیڈیم نظر آ رہا ہے۔ پاکستانی کھلاڑی تیاریاں کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔“

بہن نے شوخی سے کہا۔ ”جب سب کچھ ابھی سے دکھائی دے رہا ہے تو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہیں سے لائیو میچ کے مزے لے لیں۔“

وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولا۔ ”اے لڑکی! تم میرے جذبات کا مذاق اڑا رہی ہو؟“

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ”نہیں بھائی جان! ہم تو آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔ اور یہ بھی نہ بھولیں کہ تمام گھر والے ہامی نہ بھرتے تو شاید ابو آپ کو وہاں جانے کی اجازت نہ دیتے۔ اس فیصلے میں ہماری سفارش شامل ہے۔ بس یہ تیس دنوں کا سن کر مجھے مایوسی ہو رہی تھی مگر اب مطمئن ہوں۔“

وہ شب بخیر کہہ کر مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس نے پاسپورٹ اور ویزے کو دیکھا۔ پھر انہیں دراز میں رکھ کر سائڈ ٹیبل کا لیمپ بجھا دیا۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم میں شامل ہونا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا جو جلد ہی پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ فی الحال وہ انڈر نائنٹین میں کھیل رہا تھا اور اپنے نام کا سکہ جما رہا تھا۔

اس بڑے خواب کے بعد ایک خواب یہ تھا کہ پاک بھارت کرکٹ میچ کو لائیو دیکھے۔ اور اس کی یہ تمنا آنے والے دنوں میں پوری ہونے والی تھی۔

☆☆☆

ایسا ہوتا ہے۔ کبھی کوئی تمنا، کوئی آرزو تکمیل کے مراحل سے گزرنے کے باوجود خواب ہی لگتی ہے۔ پاکستان سے ممبئی ائرپورٹ پہنچنے تک اسے ایسا ہی لگا تھا، جیسے جاگتے میں کوئی سپنا دیکھ رہا ہے۔

پھر امیگریشن کاؤنٹر پر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے پاسپورٹ اور ویزے کو یوں چیک کیا جا رہا تھا جیسے وہ کوئی مشکوک شخص ہو۔ ڈیوٹی آفیسر نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔ پھر اس کے پاسپورٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہُوں... پاکستانی...“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”ایسا لگ رہا ہے جیسے میں یہاں آنے والا پہلا پاکستانی ہوں۔“

وہ ناگواری ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ”نہ پہلے ہو، نہ آخری ہو۔ کرکٹ میچ کی وجہ سے یہاں پاکستانیوں کی کھیپ چلی آ رہی ہے۔“

”ٹورازم بڑھ جائے تو یہ کسی بھی ملک کی اکانومی کے لیے خوش آئند بات ہوتی ہے۔“

اس نے طنزیہ انداز میں زیرِلب کہا۔ ”کنگلے ملک کے کنگال لوگ ہمارے دیش کی اکانومی کو کیا بڑھائیں گے؟“

محبوب خان نے پوچھا۔ ”کیا فرمایا آپ نے...؟“

”اجی ہم کیا فرمائیں گے؟ وہ تو تمہارے قائداعظم فرمایا کرتے تھے۔“

”مائنڈ یور لینگویج پلیز... آپ مجھے آپ کہہ کر ہی مخاطب کریں تو بہتر ہوگا۔“

اس نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ ”میری تو زبان اردو نہیں ہے۔ اس لیے میں نہیں جانتا کہ آپ کہنا زیادہ بہتر ہوتا ہے یا تم...؟“

”انجان بننے کا اچھا انداز ہے۔ ورنہ اس فرق کو تو ہندی بولنے والے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اینی وے... اگر اردو بولنے میں پرابلم ہے تو آپ مجھ سے انگریزی میں بات کر سکتے ہیں۔“

آفیسر کے تیور بگڑ گئے تھے۔ اس نے پاسپورٹ پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ”نام کے ساتھ خان لگا ہوا ہے۔

نہ لگا ہوتا تب بھی اس گرم مزاجی سے پتا چل جاتا کہ پکے پٹھان ہو۔"

وہ ذرا تن کر بولا۔ "جی ہاں۔ ہم پاکستانی پٹھان ہیں۔"

وہ اس کے کاغذات کو بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ محبوب خان نے پوچھا۔ "کیا ڈاکیومینٹس میں کوئی غلطی ہے؟"

اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ چند لمحوں بعد محبوب نے بیزار ہو کر پوچھا۔ "آخر مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ تمہارے ملک کا اور ملکی حالات کا ہے۔ دہشت گرد وائرس کی طرح وہاں پنپتے رہتے ہیں اور پڑوسی دیشوں میں ٹرانسفر ہوتے رہتے ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"کہنا کیا ہے؟ ہم اپنی ڈیوٹی کر رہے ہیں۔"

"اور میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔"

دوسرے کاؤنٹر پر ایک اور پاکستانی فیملی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی سلوک کیا جا رہا تھا۔ ڈیوٹی آفیسر نے محبوب سے کہا۔ "وقت تو ہمارا برباد ہو رہا ہے۔ ایک ایک مسافر کے ساتھ سر کھپانا پڑ رہا ہے۔ جب سے پاکستانیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا ہے روز ہی دماغ کی دہی بنتی رہتی ہے۔ ڈیوٹی میں ذرا سی بھی کوتاہی ہوگی تو ہماری کھٹیا کھڑی ہو جائے گی۔"

محبوب کو اس کا لہجہ اور بات کرنے کا انداز مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ویل ایجوکیٹڈ آفیسر سے نہیں بلکہ سڑک چھاپ موالی سے بات کر رہا ہے۔

وہ بولا۔ "پلیز! میری پرابلم کو سمجھیں۔ یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے۔ رات زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ ابھی کسی ہوٹل میں کمرا بھی لینا ہے۔ اگر میرے کاغذات میں کوئی مسئلہ نہیں ہے تو پلیز مجھے جانے دیں۔"

"تم پاکستانی لوگ پلیز بہت بولتے ہو۔ اُدھر دیکھو! وہ فیملی بھی پلیز بول بول کر نہیں تھک رہی ہے۔ سارا دن یہی سننا پڑتا ہے۔"

وہ سر جھٹک کر پھر سے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ "باپ کا نام کیا ہے؟"

محبوب نے جھنجلا کر کہا۔ "ڈاکیومینٹس میں لکھا ہوا ہے۔"

"تمہیں یاد نہیں ہے؟"

وہ غصے سے بولا۔ "یہ کیسا سوال ہے؟"

"سیدھے سوال کا ٹیڑھا جواب دو گے تو ایسے ہی سوال سنو گے۔ باپ کا نام بولو؟"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "شمشیر خان..."

"دادا کا نام...؟"

وہ اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولا۔ "جلال خان..."

"ہُوں... شمشیر خان... جلال خان... بڑے جلالی نام ہیں۔ پھر تمہارا نام اتنا رومانٹک کیوں ہے؟ محبوب خان... لڑکیاں پکارتی ہوں گی تو بڑا اچھا لگتا ہوگا؟"

اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ وہ چند لمحوں تک کاؤنٹر پر کہنی ٹکیے اس کے کاغذات کو دیکھتا رہا۔

وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یا خدا! میں کہاں پھنس گیا؟"

ڈیوٹی آفیسر نے کاغذات اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پھنسے نہیں ہو۔ نکل گئے ہو۔" پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بی کیئر فل... اوکے؟"

وہ پلٹتے ہوئے بولا۔ "جی... مشورے کا شکریہ..."

اس نے لگیج سے سامان لے کر ایک ٹرالی میں رکھا پھر عمارت سے باہر آ گیا...۔ ٹیکسی کے لیے ادھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔ پارکنگ ایریا کے دائیں بائیں دور تک ہری بھری کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔ ان کیاریوں میں خوبصورت پودے لگے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ کالی سڑک ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں سے متعدد گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ لوگ اپنے پیاروں کو خوش آمدید کہنے اور رخصت کرنے آئے تھے۔

وہ سڑک عبور کر کے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی نگاہیں ایک کیاری کی طرف اٹک کر رہ گئیں۔ وہاں نیم تاریکی میں کسی موبائل فون کی اسکرین روشن ہوئی تھی۔ اس کی روشنی نے محبوب خان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ سڑک پار کرتے کرتے رک گیا۔ اگرچہ اس طرف روشنی کم تھی مگر یہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا کہ کوئی شخص ایک پودے کی اوٹ میں بیٹھا ہوا ہے۔ بیٹھنے کا انداز ایسا تھا جیسے چھپا ہوا ہو۔

درجنوں افراد فلائٹ کا انتظار کرتے ہوئے ائرپورٹ کی عمارت کے باہر کھلی فضا میں وقت گزارنا پسند کرتے ہیں۔ یہ معمولی سی بات تھی۔ اور ایسی غیر اہم بات کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ محبوب خان محض یہ دیکھ کر نہیں رکا تھا کہ کوئی شخص اس نیم تاریکی میں ایک

پودے کے پیچھے کیوں چھپا ہوا ہے؟ اس کے کھٹکنے کی وجہ تو وہ ہتھیار تھا جو اس شخص کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ ائرپورٹ کے احاطے میں ایسے مسلح اور مشتبہ شخص کی موجودگی ایک چونکا دینے والی بات تھی۔ یہ سیدھی سی بات دماغ میں آ رہی تھی کہ یقیناً وہ ائرپورٹ کی سیکیورٹی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہاں تک پہنچا ہوگا۔

اس نے فون پر مختصر سی بات کر کے اسے جیب میں رکھ لیا تھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے ریوالور کو تھام کر نشانہ سیٹ کرنے لگا۔ محبوب خان نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک کلرڈ شیشوں والی بلیک کار دور سے آتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس شخص کی نگاہیں اس گاڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے جیسے اس کے قریب آتی جا رہی تھی ویسے ویسے وہ شخص الرٹ ہوتا جا رہا تھا۔

ادھر محبوب خان کے اندر کھلبلی مچ گئی تھی۔ صاف سمجھ میں آ رہا تھا کہ اس مشتبہ شخص کا شکار اس گاڑی میں ہے اور وہ جو کوئی بھی ہے جیسے ہی دروازہ کھول کر باہر نکلے گا' یہ اس کا نشانہ لے کر فائر کر دے گا۔

محبوب خان کبھی گاڑی کو اور کبھی اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ سیکیورٹی کو انفارم کرنے میں وقت ضائع ہو سکتا تھا۔ پھر یہ کہ وہ خبردار ہو کر وہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ محبوب خان کو اس کا چہرہ واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اگر وہ فرار ہو کر وہاں موجود لوگوں کے درمیان گم ہو جاتا تو محبوب اسے پہچان نہ پاتا۔

وہ گاڑی اس سے ذرا دور ایک جگہ آ کر رک گئی۔ محبوب کا دل کر رہا تھا کہ وہ گاڑی والے سے چیخ کر کہہ دے۔ "خبردار! باہر نہ نکلنا۔ تمہاری جان کو خطرہ ہے..."

اس کے دونوں ہاتھ ٹرالی کے ہینڈل پر جمے ہوئے تھے۔ وہاں اس کی گرفت ایسے مضبوط ہو گئی تھی جیسے وہ اس گاڑی کے دروازے کو کھولنے سے روک رہا ہو۔ اس کے اندر گرمی سی بھر گئی تھی۔ کچھ کرنا تھا... کچھ تو کرنا ہی تھا...

اُدھر ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی دباؤ ڈالنے کے لیے تیار تھی۔ اِدھر محبوب خان ٹرالی کو چھوڑ کر دھیرے دھیرے گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔

اُدھر وہ حملہ آور سوچ نہیں سکتا تھا کہ کیا ہو سکتا ہے؟

اور وہ گاڑی والا تو شاید بالکل ہی بے خبر تھا۔ اس نے تو سوچا بھی نہیں ہوگا کہ وہ گاڑی کا نہیں بلکہ اپنی شامت کا دروازہ کھولنے والا ہے۔

مقدر کے ہیر پھیر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ قسمت کی ڈوری کہاں پہنچ کر کس اجنبی کے ساتھ الجھنے والی ہے؟ وہاں تین انجان افراد بے خبری میں ایک دوسرے سے الجھنے والے تھے۔ محبوب خان اس انجانے ملک میں پہنچتے ہی عجیب سی صورتِ حال سے دوچار ہو رہا تھا۔ خطرہ مول لے رہا تھا۔ نہ جانے اس کا انجام کیا ہونے والا تھا؟ مگر دل میں ایک جذبہ تھا' ایک عزم تھا کہ کسی کی جان بچانی ہے۔

مگر کس کی جان بچانی ہے؟

کلرڈ شیشوں کے پیچھے وہ کون ہو سکتا تھا؟ یہ تو دروازہ کھلنے کے بعد ہی معلوم ہونے والا تھا۔

اور دروازہ کھل گیا۔

محبوب خان کی توقع کے خلاف پچھلے دروازے سے ایک زنانہ پاؤں باہر آیا۔ ایک اونچی ایڑھی کی سینڈل نے فرش پر قدم جمایا۔ پھر دروازے کے پیچھے سے وہ رخِ روشن یوں ابھرا جیسے پہاڑوں کی اوٹ سے چاند ابھر رہا ہو۔ پھر پورا کا پورا چاند نکل آیا۔ اس نے ذرا گھوم کر گاڑی کا دروازہ بند کیا۔ گھومنے کی ادا ایسی تھی جیسے سمندر کی موجیں موج میں آ گئی ہوں' جیسے ریشمی ڈور لہرا گئی ہو۔ محبوب خان کی نگاہیں اس ریشمی نظارے میں الجھ کر رہ گئیں۔ پھر اس نے ٹھٹک کر کیاری کی طرف دیکھا۔ اِدھر بھی قیامت تھی' اُدھر بھی قیامت تھی...

محبوب خان کے جسم میں لہو کی روانی تیز ہو گئی تھی۔ اُدھر ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھ گیا۔ سوچنے اور جھجکنے کا وقت نہیں تھا۔ ان لمحات میں جان کی امان ضروری تھی۔ وہ بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ تقریباً دوڑتا ہوا اُس حسینہ کی طرف لپکا۔

وہ سر جھکائے اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پلک جھپکتے ہی کیا سے کیا ہو جائے گا؟ محبوب خان بجلی کی سی تیزی سے اس کی طرف لپکا تھا پھر اسے دونوں بازوؤں میں جکڑتا ہوا' اسے لیتا ہوا کھردری سڑک پر آ گیا۔

جو ہوا' آناً فاناً ہوا۔ کسی کو کچھ سوچنے کا موقع نہ ملا۔ ٹریگر پر دباؤ پڑا تھا۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی چلی تھی۔ اس حسینہ کو محبوب نے بچا لیا تھا۔ مگر ایسا ہوتا ہے' کسی کی آئی کسی اور کو آ جاتی ہے۔ نشانہ چوک گیا تھا' گاڑی کے دوسری طرف سے کئی افراد گزر رہے تھے۔ اس خاموش گولی نے بڑی خاموشی سے ایک کا کام تمام کر دیا۔

اُدھر ایک لاش گری تھی۔ اِدھر یہ دونوں گرے ہوئے

تھے۔
اُدھر لوگوں کے درمیان شور مچ گیا تھا۔ اِدھر دھڑکنیں شور مچارہی تھیں۔
ائرپورٹ کی انتظامیہ اور سیکیورٹی والے جائے وقوعہ کی طرف دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔
اُدھر افراتفری پھیل گئی تھی۔ اِدھر دل ودماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔
محبوب خان کچھ اس انداز میں اس کے اوپر آیا تھا کہ حسینہ کو اپنے سینے پر ہاتھوں کی قینچی بنانے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ دھڑکنوں سے دھڑکنیں یوں مل گئی تھیں کہ ان کے درمیان سے ہوا بھی گزر نہیں سکتی تھی۔ محبوب نے گرنے سے پہلے اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ وہ بازو نازک سی کمر کے نیچے تھے اور اسے سڑک کے کھردرے پن سے بچا رہے تھے۔
دوسری طرف حملہ آور کو دوبارہ فائر کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ کسی کی گرفت میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا ناکامی کے بعد وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔
اِدھر حسینہ نے مچل کر پوچھا۔ ”کون ہو تم...؟ اور یہ کیا حرکت ہے؟“
ہائے... شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو...!
وہ پہلی بار گویا ہوئی تھی۔ گویا سات سُروں کا سرگم گونج اٹھا تھا۔ وہ بولا۔ ”میں دشمن نہیں ہوں‘ دوست ہوں۔ آپ کا دشمن اس کیاری کے پیچھے تھا۔ آپ کی جان لینا چاہتا تھا۔ میں نے تو آپ کی جان بچائی ہے۔“
ایسے ہی وقت اس حسینہ کے ڈرائیور نے آکر انہیں دیکھا۔ وہ دوسری طرف ایک لاش دیکھ کر آیا تھا۔ یہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی میڈم سے دشمنی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر وہ سڑک پر نہ گرتی تو وہ گولی اس کا کام تمام کر چکی ہوتی۔ وہ اس اجنبی کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ اگرچہ اس نے میڈم کی جان بچائی تھی مگر خود اس کی جان سے چپک کر رہ گیا تھا۔ ڈرائیور نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”میڈم کو چھوڑو۔“
وہ دھکا کھا کر اس کے اوپر سے لڑھک کر سڑک پر آگیا۔ عجیب بات ہے... تحفظ دینے والے کو دھکے مل رہے تھے۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ایسے ہی وقت ایک لڑکی اور چار افراد دور سے دوڑتے ہوئے ان کی طرف آتے ہوئے بولے۔ ”ارے کلپنا میڈم! یہ کیا ہوا؟“
”میڈم! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟“
آنے والوں میں تین افراد پرسنل باڈی گارڈز تھے۔

انہوں نے وہاں آتے ہی کلپنا کو تحفظ دینے کے لیے اسے گھیر لیا تھا۔ محبوب خان بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کی نگاہیں کیاری کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ اگرچہ وہ حملہ آور کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر محبوب کو ڈر تھا کہ کہیں وہ چھپ کر دوبارہ حملہ نہ کردے۔
دوسری طرف جو شخص بے موت مارا گیا تھا‘ اس کے لیے ایمبولینس آگئی تھی۔ لوگوں کے درمیان خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ ائرپورٹ کی انتظامیہ اور سیکیورٹی والے سب کو پُرامن رہنے کی ہدایات دے رہے تھے۔ وہاں موجود رہنے والی پولیس فورس نے جائے وقوعہ کو چاروں طرف سے گھیرنا شروع کردیا تھا۔
ایک اور بھاری بھرکم جسامت کا شخص تیزی سے چلتا ہوا کلپنا کے پاس آگیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں موبائل فون تھا۔ وہ فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے کلپنا کی خیریت معلوم کررہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”آپ چنتا نہ کریں میڈم! میں ابھی سیکیورٹی ہائی الرٹ کرتا ہوں اور اس معاملے کی کارروائی شروع کرواتا ہوں۔ ابھی یوں چٹکیوں میں معلوم پڑ جائے گا کہ کس نے دشمنی کی ہے؟“
ڈرائیور نے اس کا ہینڈ بیگ اٹھا کر اسے دیا۔ آنے والی لڑکی اس کا لباس جھاڑ رہی تھی۔ کلپنا نے غصے سے کہا۔ ”دشمنوں کا تو بعد میں معلوم ہوگا۔ مگر ابھی یہ معلوم ہوگیا ہے کہ آپ کی سیکیورٹی بہت ہی کمزور ہے اور میں کمزور لوگوں کے ساتھ کام نہیں کرتی۔ شوٹنگ ہمیشہ کے لیے کینسل سمجھیں مسٹر چوہان...!“
وہ کمرشل ڈائریکٹر تھا۔ اس کا نام نائیک چوہان تھا۔ وہ فوراً ہی خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ ”یہ غضب نہ کریں۔ میں ڈوب جاؤں گا۔ اس ایک کمرشل کے لیے میرا پورا فیوچر داؤ پر لگا ہوا ہے۔“
”لیکن میں اپنی جان کو داؤ پر لگا کر کوئی کام نہیں کرتی۔“
وہ بولا۔ ”یہ ائرپورٹ والے اصولوں کے بڑے پکے ہیں۔ عمارت کے اندر اسلحہ لے جانے کی اجازت ہی نہیں دیتے۔“
وہ بولی۔ ”میں اندر کی نہیں‘ باہر کی سیکیورٹی کی بات کررہی ہوں۔ آپ کے گارڈز کو یہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔“
ایک نے کلپنا کی کہنیوں کو دیکھ کر کہا۔ ”اوہو۔ میڈم زخمی ہوگئی ہیں۔ فوراً فرسٹ ایڈ باکس منگواؤ۔“

وہ غصے سے ڈپٹنے کے انداز میں بولی۔ ”مجھے کسی ایڈ کی ضرورت نہیں ہے۔ جسٹ لیومی...!“
محبوب انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سب آپس میں الجھ رہے تھے۔ وہ انہیں چھوڑ کر اپنی ٹرالی کی طرف جانا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت کسی نے پیچھے سے آکر اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ وہ ایک دم سے چونک گیا۔ پلٹ کر دیکھا‘ دو سپاہیوں نے اسے جکڑ لیا تھا۔ ایک انسپکٹر قریب آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”اسے پکڑ کے رکھو۔ بھاگنے نہ پائے۔“
محبوب نے کہا۔ ”بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے... ارے جس کو پکڑنا تھا، وہ تو بھاگ چکا ہے۔“
انسپکٹر نے اپنی اسٹک کو اس کے سینے پر بجاتے ہوئے کہا۔ ”بھاگا نہیں ہے۔ بھاگنے سے پہلے پکڑا گیا ہے۔“
کلپنا نے اُدھر دیکھا۔ جس نوجوان نے اس کی جان بچائی تھی‘ پولیس والے اسے کسی مجرم کی طرح پکڑ کر تفتیش کررہے تھے۔ وہ باڈی گارڈز وغیرہ کو ہٹاتی ہوئی انسپکٹر کے پاس آکر بولی۔ ”یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ چھوڑیں انہیں...“
باڈی گارڈز فوراً ہی سیکیورٹی دینے کے لیے کلپنا کے دائیں بائیں اور پیچھے آکر کھڑے ہوگئے۔ دوسرے افراد بھی اس کے قریب آگئے۔
انسپکٹر نے کہا۔ ”میڈم! آپ پر گولی چلائی گئی ہے۔“
”وہ تو میں بھی سمجھ گئی ہوں مگر جس نے جان بچائی ہے‘ آپ اسے کیوں پکڑ رہے ہیں؟“
وہ محبوب کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مجرموں کے ناٹک آپ نہیں سمجھیں گی۔ اکثر جان کے دشمن تفتیش کا رخ موڑنے کے لیے محافظ بننے کا ڈراما شروع کردیتے ہیں۔“
پھر انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ محبوب خان کے لباس کی تلاشی لی جائے۔ کلپنا نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔ ”آپ ان کی تلاشی نہیں لے سکتے کیونکہ مجھے ان پر کوئی شبہ نہیں ہے۔“
”آپ سمجھ نہیں رہی ہیں میڈم! معاملہ بہت سنگین ہے۔“
”دشمنی مجھ سے کی گئی ہے۔ میں معاملے کی سنگینی کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ اگر یہ بروقت آکر میری جان نہ بچاتے تو ابھی یہ سڑک میرے لہو سے رنگین ہورہی ہوتی۔ پلیز... آپ جاکر اصل مجرموں کا سراغ لگائیں۔ انہیں تنگ نہ کریں۔“
انسپکٹر نے کہا۔ ”سراغ لگانے کے کچھ طریقے ہوتے

ہیں۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ آپ پر جان لیوا حملہ ہونے والا ہے؟ یقیناً انہوں نے دشمن کو دیکھا ہوگا۔“
وہ بولی۔ ”تو پھر سوالات کریں لیکن مجرموں کی طرح پکڑ کر تفتیش نہ کریں۔“
انسپکٹر نے گہری سانس لے کر سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے محبوب خان کو چھوڑ دیا۔ انسپکٹر نے اس سے پوچھا۔ ”تم ہو کون؟“
وہ بولا۔ ”میرا نام محبوب خان ہے۔ میں پاکستان سے آیا ہوں۔“
انسپکٹر نے کلپنا کو اور دوسرے افراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پاکستانیوں کی آمد شروع ہوتے ہی دہشت گردی کی وارداتیں شروع ہوگئیں۔“
وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ محبوب خان نے انسپکٹر سے پوچھا۔ ”کیوں، کیا ہمارے آنے سے پہلے یہ ملک امن کا گہوارہ تھا؟ یہاں ٹارگٹ کلنگ‘ گینگ ریپ اور اسٹریٹ کرائمز کی وارداتیں نہیں ہوتی تھیں؟ یہاں کے لوگ گولی کی ٹھائیں ٹھائیں سے ناواقف ہیں؟“
وہ بولا۔ ”ایسی بات نہیں ہے۔“
وہ ذرا جھنجلا کر بولا۔ ”تو پھر یہ کیسی باتیں ہیں؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے امیگریشن والوں کا رویہ مجھ سے ایسا تھا جیسے میں کوئی مشتبہ شخص ہوں اور اب آپ بھی اسی انداز میں پیش آرہے ہیں۔ میں نے آپ کے ایک شہری کی جان بچائی ہے اور آپ مجھ پر ہی شبہ کررہے ہیں؟“
انسپکٹر نے کہا۔ ”دیکھو مسٹر! شک کرنا قانون کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ کلپنا میڈم کا معاملہ ہے۔ تم انہیں جانتے بھی ہو؟ یہ ہمارے دیش کی سپر ماڈل ہیں۔ دنیا بھر کے شوبزنس والے ان کے آگے پیچھے گھومتے ہیں۔ ان جیسی شخصیات ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں۔“
محبوب نے کلپنا کی طرف دیکھتے ہوئے انسپکٹر سے کہا۔ ”میں انہیں اور اِن کے معاملات کو نہیں جانتا۔ میں نے تو بس ایک انسانی جان کو بچایا ہے۔“
نائیک چوہان نے کہا۔ ”صرف انسانی نہیں‘ ایک بہت ہی قیمتی جان کو بچایا ہے۔“
انسپکٹر نے محبوب سے اس کے کاغذات مانگے۔ پھر انہیں چیک کرنے کے بعد واپس کرتے ہوئے پوچھا۔ ”تم نے اُس حملہ آور کو دیکھا تھا؟“
”جی ہاں۔ میں اپنے سامان کی ٹرالی لے کر باہر آیا

تھا۔ تب اس پر نظر پڑی تھی۔ وہ وہاں اُس کیاری میں ایک پودے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔"

اس نے جگہ کی نشاندہی کی۔ انسپکٹر نے سوچتی ہوئی نظروں سے اُدھر دیکھا۔ پھر دونوں سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ اُدھر جا کر اس کیاری کو چیک کرنے لگے۔ انسپکٹر نے کہا۔ "پھر تو اس کی صورت بھی پہچانتے ہو گے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں، اُس طرف روشنی بہت کم ہے۔ مجھے اس کی صورت دکھائی نہیں دی تھی۔"

انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "اُدھر نیم اندھیرا ہے۔ توجہ سے دیکھنے پر ہی وہاں کسی کی موجودگی کا پتا چل سکتا ہے۔ تمہاری توجہ اس طرف کیسے چلی گئی تھی؟"

"اس کے موبائل فون کی روشنی نے مجھے متوجہ کیا تھا۔ اس کے بعد ریوالور پر نظر پڑی تھی۔"

"تم یہ کیسے سمجھ گئے کہ وہ میڈم پر ہی فائر کرنے والا ہے؟"

"کیونکہ اس نے فون پر بات کرنے کے بعد ان کی گاڑی کو ٹارگٹ بنایا تھا۔"

انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلایا پھر کہا۔ "ذرا سوچ کر بتاؤ، کیا تم اسے بالکل بھی پہچان نہیں سکتے؟ میرا مطلب ہے، کوئی ایسی بات یا پہچان جو اس کی نشاندہی کر سکے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نے عرض کیا نا، وہ اندھیرے میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔"

کیاری کی طرف جانے والے سپاہی واپس آگئے تھے۔ حملہ آور نے اپنے قدموں کے نشان بھی نہیں چھوڑے تھے۔ انسپکٹر نے کلپنا سے پوچھا۔ "میڈم! آپ کو تو کچھ اندازہ ہوگا، یہ دشمن کون ہو سکتا ہے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "دشمن تو بہت ہیں مگر یہ سوچنا ہوگا کہ جانی دشمنی کون کر سکتا ہے؟ فی الحال میں کوئی اسٹیٹمنٹ نہیں دے پاؤں گی۔"

وہ سپاہیوں کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کلپنا سے بولا۔ "میں نے ائرپورٹ کے داخلی اور خارجی راستوں پر چیکنگ شروع کروادی ہے۔ جیسے ہی کوئی انفارمیشن ملے گی، میں آپ کو انفارم کردوں گا۔ سیکیورٹی سخت کردی گئی ہے۔ اب آپ بے فکر ہو کر اپنی شوٹنگ اسٹارٹ کروا سکتی ہیں۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ ڈائریکٹر چوہان فون پر مصروف تھا۔ پھر رابطہ ختم کر کے کلپنا سے بولا۔ "اب چلیں میڈم... شوٹنگ کا ٹائم نکلا جا رہا ہے۔"

وہ بولی۔ "شوٹنگ کا ٹائم تو نکل ہی چکا ہے۔ اب آپ پیک اپ کروا دیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ... آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"آسان ہندی میں بات کر رہی ہوں۔ آپ کو سمجھ جانا چاہیے۔"

محبوب خان ان کی بحث سننے کے لیے وہاں رک نہیں سکتا تھا۔ وہ پلٹ کر اپنی ٹرالی کی طرف جانے لگا۔ کلپنا نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے پکارا۔ "محبوب خان...!"

اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کلپنا نے وہاں موجود افراد سے کہا۔ "پلیز... آپ سب جائیں۔"

ڈائریکٹر چوہان نے گڑگڑانے کے انداز میں کہا۔ "فارگاڈ سیک میڈم! میری پریشانی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"میں بہت اَپ سیٹ ہوں۔ کیمرے کو فیس کرنا نہیں چاہتی۔ پلیز... کوئی بحث نہ کریں۔ ابھی میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

ڈائریکٹرز کو اکثر ہی نمبرون ہیروئن اور سپر ماڈلز کے نخرے سہنے پڑتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آرہی تھی کہ کلپنا کی نہ ہاں میں بدلنے والی نہیں ہے۔ چوہان نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "کوئی اگلی ڈیٹ تو دے دیں۔"

"ابھی میں کچھ کہنا سننا نہیں چاہتی۔ آپ پلیز جائیں۔"

اس نے ان کی طرف سے منہ پھیر کر محبوب کو دیکھا۔ پھر اس کے قریب آکر مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا اتنا بڑا احسان کر کے مجھ سے بات کیے بغیر ہی جا رہے تھے؟"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے؟ میں نے تو صرف آپ کی مدد کی ہے۔"

"صرف مدد نہیں کی، نیا جیون دیا ہے۔"

"زندگی دینا تو اوپر والے کا کام ہے۔"

"بے شک۔ اوپر والے نے رکھشا کی ریکھا کھینچنے آپ کو بھیجا ہے۔ موت میری طرف آنے کے لیے آپ کی ریکھا کو پار نہ کر سکی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اور سلامتی کی لکیر کھینچنے والے کو بڑی دور سے بھیجا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ یا خدا...! کسی کی ہنسی میں ایسا جادو بھی ہو سکتا ہے۔ وہ سحر پھونک رہی تھی اور وہ سحرزدہ سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ بایاں ہاتھ ہونٹوں کے قریب لا کر ہنسنے کی ادا ایسی تھی کہ اس سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں۔ دل کر

رہا تھا، وہ اسی ادا سے ہنستی رہے اور وہ اسے تکتا رہے۔ اس کے ترنم میں ڈوبتا ابھرتا رہے۔

ڈائریکٹر چوہان مایوس ہو کر سیکیورٹی گارڈز وغیرہ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ کلپنا نے محبوب سے کہا۔ "میرا اندازہ غلط نہ ہو تو آپ کرکٹ میچ کے لیے یہاں آئے ہیں؟"

"آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے۔ میں لائیو کرکٹ دیکھنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "او آئی لو کرکٹ... اور جہاں پاک بھارت کی بات ہو تو میں بھی اسے لائیو دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "یہی کوشش مجھے انڈیا لے آئی ہے۔"

"مجھے تو یہ آپ کی دیوانگی لگتی ہے۔"

"ہاں۔ اصل میں تو ایسا ہی ہے۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "اسی بات پر ہاتھ ملائیں کیونکہ میں بھی کرکٹ کی دیوانی ہوں۔"

اس نے مسکرا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر اسے تھام لیا۔ خدا جانے اس ہاتھ میں ہڈیاں بھی تھیں یا نہیں...؟ نرم ملائم تھا پھر وہ اس کی گرفت سے پھسل گیا۔ وہ ہوا سے اٹھلاتی ہوئی زلفوں کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "ویسے صرف دیکھتے ہیں یا کھیلنے کا شوق بھی ہے؟"

"ابھی تو انڈر نائنٹین میں کھیلتا ہوں۔ مگر بہت جلد اپنی قومی ٹیم کو جوائن کرنے والا ہوں۔"

وہ خوشی سے چہک کر بولی۔ "ارے واہ... یعنی پاکستانی ٹیم کے اَپ کمنگ کھلاڑی سے ملاقات ہو رہی ہے۔ یہ تو میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کو کوئی ریسیو کرنے نہیں آیا؟ کیا یہاں کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔ میں پہلی بار یہاں آیا ہوں اور آتے ہی مایوس ہو رہا ہوں۔ کیا آپ لوگ ہم پاکستانیوں کو پسند نہیں کرتے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔"

"ابھی تک تو ایسی ہی باتیں سامنے آئی ہیں۔ وہاں وہ کاؤنٹر آفیسر اور یہاں وہ پولیس انسپکٹر ان کے رویّوں سے اور باتوں سے تو ایسا ہی تاثر ملا ہے۔"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "اور میں... میرے رویّے سے کیسا تاثر مل رہا ہے؟"

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ وہ ابھی اس کی حرارت سے متعارف ہو کر آیا تھا۔ اس نے مسکرا کر اسے میٹھی بناتے ہوئے کہا۔ "آپ کی بات الگ ہے۔"

"الگ اس لیے ہے کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ جہاں بُرے لوگ ہوتے ہیں، وہاں اچھے بھی ہوتے ہیں۔ بھارت ہو یا پاکستان... دونوں ہی ملکوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کے جذبات بھی ہیں اور نفرت کی آگ بھی ہے۔ ہم دونوں نے ہاتھ ملایا، گویا نفرت کی آگ پر پانی ڈال دیا۔ یہاں اور بھی بہت سے ہندوستانی ایسا ہی کر رہے ہوں گے۔"

اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ "میں آپ کو اپنے دیش میں ویلکم کہتی ہوں۔ آپ کا سواگت کرتی ہوں اور وہ کیا کہتے ہیں... ہاں، خوش آمدید کہتی ہوں۔"

اس کی بات سن کر وہ ہنس پڑا۔ وہ بھی ہنسنے لگی۔ محبوب نے کہا۔ "آپ یہاں کی سپر ماڈل ہیں۔ شوبزنس کی دنیا کا بڑا نام ہیں۔ لوگ انٹرنیشنل لیول پر آپ کو جانتے ہیں۔ دراصل میں ٹی وی بہت کم دیکھتا ہوں۔ سوری! اسی لیے آپ کو پہچان نہیں پایا۔"

"تو اس میں سوری بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"آپ کو عجیب سا لگا ہوگا؟"

"سچ پوچھیں تو یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ مجھے نہیں جانتے۔"

"کمال ہے۔ اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے؟"

"باتیں تو بہت سی ہو سکتی ہیں مگر یہاں کھڑے نہیں کر سکیں گے۔ وہ ٹرالی آپ کی ہے نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ کلپنا نے ڈرائیور سے کہا۔ "محبوب صاحب کا سامان ڈکی میں لا کر رکھو۔"

محبوب نے کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ میں ٹیکسی لے کر کسی ہوٹل کی طرف جاؤں گا۔"

ڈرائیور اپنی مالکن کے حکم کے مطابق ٹرالی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بولی۔ "آپ میرے محسن بھی ہیں اور مہمان بھی ہیں۔ یہاں آتے ہی آپ کو تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔ میں اپنی مہمان نوازی سے ان تلخیوں کو ختم کرنا چاہوں گی۔ آخر ہم یونہی تو نہیں کہتے کہ انڈیا از دی بیسٹ..."

ڈرائیور ٹرالی لے آیا تھا۔ پھر ڈکی کھول کر سامان رکھنے لگا۔ محبوب نے ہچکچا کر کہا۔ "آپ تکلف کر رہی ہیں۔"

''میں کچھ نہیں کر رہی ہوں۔ سب کچھ خود بخود قدرتی طور پر ہو رہا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ حادثہ مجھے مستقبل کے ایک کرکٹر سے ملانے والا ہے۔''

''اور میں بھی نہیں جانتا تھا کہ شوبزنس کی دنیا کے ایک روشن ستارے کو بچا رہا ہوں۔ لیکن میں آپ کے کسی کام آیا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کی جان کو ہی آجاؤں۔''

ڈرائیور نے ڈگی بند کر کے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ کلپنا نے محبوب کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بولا۔ ''مجھے یہاں کے ہوٹلز وغیرہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ اس لیے یہ بھی نہیں بتا پاؤں گا کہ کہاں جانا ہے؟ بس اتنی مہربانی کریں' مجھے وانکھیڑے اسٹیڈیم کے قریب ہی کسی ہوٹل تک پہنچادیں۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''آپ گاڑی میں تو بیٹھیں۔ منزل تک بھی پہنچ ہی جائیں گے۔''

وہ پچھلی سیٹ پر آگیا۔ کلپنا ڈرائیور کو کچھ ہدایت دے کر دوسری طرف سے محبوب کے برابر آگئی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہو کر ائرپورٹ کے احاطے سے باہر جانے لگی۔ انسپکٹر سُریش چوپڑا کی گہری سوچتی ہوئی نگاہیں دور جاتی ہوئی گاڑی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔ پھر دائیں طرف ذرا فاصلے پر کھڑی ہوئی پولیس وین کو دیکھا۔ وہاں تین سپاہی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

سریش چوپڑا نے ان کے پاس آکر سپاہیوں کے درمیان بیٹھے ہوئے شخص کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''کچھ اندازہ بھی ہے' تم نے کیسا سنہری موقع گنوادیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ وہ تو اُس...''

سریش نے اس کی بات کاٹ کر غصے سے کہا۔ ''تم نے کچھ کیا ہی تو نہیں ہے۔ اب کیا رپورٹ دو گے پجارا جی کو...؟ تمہارے ساتھ ساتھ ہماری بھی کھال کھنچے گی۔''

وہ مٹھیاں بھینچ کر دانت پیس کر بولا۔ ''نہ جانے وہ سالا کہاں سے ٹپک پڑا تھا؟ ورنہ پجارا جی جانتے ہیں' میرا نشانہ کبھی چوکتا نہیں ہے۔''

''اسی لیے انہوں نے تمہیں بھیجا تھا۔ مگر ساری محنت پر پانی پھر گیا۔ تمہیں یہاں سپاہی بنا کر لانے کے معاملے میں رسک ہی رسک تھا۔ پکڑے جاتے تو میری ہی بیلٹ اترتی۔''

''اسی لیے میں نے وہاں چھپے رہنے کی حماقت نہیں کی۔ دوسری گولی نہیں چلائی۔ اگر کوئی اور جگہ ہوتی تو سالی کو نرک میں پہنچا کر ہی دم لیتا۔''

''اب بیلٹ اترے گی یا نہیں مگر ہم سب پر پجارا جی کا غصہ ضرور اترے گا۔ آتش فشاں کی طرح پھٹیں گے وہ...''

ان کے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر سریش نے کہا۔ ''وہ تو شکر کرو' اس چھوکرے نے تمہاری صورت نہیں دیکھی۔ نہ یہ دیکھ سکا کہ تم وردی میں تھے۔ اور تمہیں وردی میں اسی لیے رکھا گیا تھا کہ کوئی دیکھے گا تو یہی سمجھے گا' سپاہی ہو۔ پہرے داری کر رہے ہو۔''

پھر اس نے ذرا جھنجلا کر کہا۔ ''کلپنا پر جان لیوا حملہ ہوا ہے۔ وہ بھی میری ڈیوٹی کے وقت... بات بہت دور تک جائے گی۔ بڑے بڑے افسر حرکت میں آجائیں گے۔ کام ہو جاتا' کم سے کم پجارا جی خوش ہو جاتے تو خیر تھی۔ انہوں نے مجھ سے تعاون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اس ناکامی کا سن کر تو وہ آگ بگولا ہو جائیں گے۔ میں تو ہر طرف سے مارا جاؤں گا۔''

اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''پجارا جی کی کال آئی؟''

حملہ آور نے انکار میں سر ہلایا۔ انسپکٹر نے ایک گہری سانس لے کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر ایک مخصوص انداز میں گاڑی پر اسٹک بجاتا ہوا اگلی سیٹ کی طرف آگیا۔ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''پجارا جی کی طرف چلو۔''

ڈرائیور گیئر بدل کر گاڑی کو آگے بڑھانے لگا۔

دوسری طرف کلپنا کی گاڑی ایک سڑک پر دوڑتی جا رہی تھی۔ محبوب نے کہا۔ ''مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں بولنا تو نہیں چاہیے۔ مگر پھر بھی یہ تجسس ہے کہ کوئی آپ کی جان کیوں لینا چاہتا ہے؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''ہم جیسے لوگوں کا کوئی معاملہ ذاتی نہیں ہوتا۔ ہماری ایک ایک بات' ایک ایک مسئلہ اشتہار بنتا ہے اور کیش ہوتا ہے۔ میرا یہ معاملہ صبح تک اخبارات میں اور ابھی آدھے گھنٹے کے اندر مختلف نیوز چینلز پر خبر بن جائے گا۔ سب ہی کو تجسس ہوگا کہ حملہ کس نے کیا؟ کیوں کیا؟ ان سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے گھر کے فون چیخ رہے ہوں گے۔ اسی لیے میں نے اپنا موبائل فون آف کر دیا ہے۔''

''آپ کو تجسس نہیں ہے؟''

''کس بات کا...؟''

''یہی کہ کون آپ کی جان لینا چاہتا ہے؟''

وہ مسکرا کر کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ظاہر ہے' کوئی دشمن ہی ہوگا۔''

''آپ خلافِ توقع بہت مطمئن دکھائی دے رہی ہیں۔ جبکہ تھوڑی دیر پہلے جان لیوا حملے سے بال بال بچی ہیں۔''

''میں صرف مطمئن نہیں' خوش بھی ہوں۔''

''کیا یہ جاننے کا تجسس نہیں ہے کہ وہ دشمن کون ہو سکتا ہے؟ وہ دوبارہ بھی تو حملہ کر سکتا ہے۔ آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔''

''محتاط ہوں اسی لیے تو شوٹنگ کینسل کر کے گھر جا رہی ہوں۔''

''نہیں، میرا مطلب ہے میں نے بڑی بڑی سپر اسٹارز کو دیکھا ہے، وہ اپنی حفاظت کے لیے باڈی گارڈز رکھتی ہیں۔ کیا آپ ایسا نہیں کرتیں؟''

''میرے چار باڈی گارڈز ہیں۔ کبھی انہیں ساتھ رکھتی ہوں کبھی ان کی موجودگی سے بیزار ہو جاتی ہوں تو صرف ڈرائیور کے ساتھ باہر نکلتی ہوں... اور کبھی تو اس سے بھی الجھن ہونے لگتی ہے۔''

وہ بول کر مسکرانے لگی۔ محبوب نے کہا۔ ''بے شک... پابندی سے بیزاری ہوتی ہے مگر اپنے تحفظ کے لیے ایسی پابندیاں برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں۔''

''ہاں۔ آج سزا بھی مل گئی۔ یہ شہرت تو دولت سے بھی بُری شے ہے۔''

''ہرگز نہیں۔ شہرت اور نیک نامی تو رحمت کی طرح ہوتی ہے۔''

''یہ رحمت کبھی کبھی زحمت بن جاتی ہے۔ جب آپ اپنی قومی ٹیم کے کھلاڑی بن کر شہرت حاصل کریں گے' تب بہت سی جگہوں پر آپ کو میری یہ بات ضرور یاد آئے گی۔''

وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔ پھر ونڈ اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''بائی دا وے، ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

اس نے مختصر سا جواب دیا۔ ''گھر...''

محبوب نے چونک کر پوچھا۔ ''گھر...؟ کس کے گھر؟ مجھے تو کسی ہوٹل میں جانا ہے۔''

''تو سمجھیں ہوٹل کی طرف ہی جا رہے ہیں۔''

اس نے ذرا الجھ کر اسے دیکھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی یہ ادا ایسی تھی کہ وہ سحر زدہ سا ہو کر رہ جاتا تھا۔ کلپنا نے کہا۔ ''کیوں... گڑبڑا گئے؟ ارے میں آپ کو اپنے گھر لے جا رہی ہوں۔ میرا خیال ہے' وہاں آپ کو کسی بھی ہوٹل سے بہتر سروس ملے گی۔''

''نہیں کلپنا جی! آپ نے اپنی گاڑی میں لفٹ دی، یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں آپ کے گھر نہیں جاؤں گا۔ پلیز! مجھے کسی ہوٹل تک پہنچادیں۔''

''میرا خیال ہے' آپ کو میری آفر بُری نہیں لگنی چاہیے۔''

وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''بات اچھے یا بُرے کی نہیں ہے۔ دراصل آپ کے ایسے رویّے سے مجھے یہی محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ میری مدد کو احسان سمجھ رہی ہیں اور کسی بھی طرح اسے اتارنا چاہتی ہیں۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''یہ درست ہے کہ آپ میرے محسن ہیں۔ مگر آپ نے جو احسان کیا ہے' اسے تو میں اتار ہی نہیں سکتی اور یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔''

''تو پھر پلیز... کسی تکلف میں نہ پڑیں۔''

''تکلف تو آپ کر رہے ہیں۔ میں تو بڑی اپنایت سے آپ کو اپنے گھر لے جا رہی تھی اور اپنایت کی حد یہ ہے کہ بنا بتائے لے کر جا رہی تھی... کیونکہ مجھے یقین تھا' آپ انکار نہیں کریں گے۔''

انکار تو وہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کا ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔ عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے رویّے میں' اس کی باتوں میں ایسی اپنایت تھی کہ دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ اجنبی شہر کے اجنبی ماحول میں وہ اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔ اس کا ساتھ چھوڑنے کو جی نہیں کر رہا تھا مگر ساتھ رہنے میں جھجک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس کی مدد کرنے کے بعد اس کے سر پر مسلط نہیں رہنا چاہتا تھا۔

وہ ہچکچا کر بولا۔ ''مجھے افسوس ہے' شاید میں انکار کر کے آپ کا دل دُکھا رہا ہوں۔''

''آپ ہاں بول کر اس دُکھی دل کو خوش بھی کر سکتے ہیں۔''

''لیکن میرا آپ کے گھر جانا مناسب نہیں ہے۔''

''مناسب نہ ہوتا تو کیا میں ایسا کرتی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں کلپنا جی! آپ پلیز ڈرائیور کو کہیں گاڑی کسی ہوٹل کی طرف لے چلے۔''

''یہ گاڑی آپ کو ہوٹل تک بھی لے جا سکتی ہے۔ مگر ابھی تو آپ وہاں جائیں گے' جہاں میں لے جاؤں گی۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، وہ بولی۔ ''آپ نے بن بلائے مہمان تو سنے ہوں گے۔ مگر زبردستی کے میزبان نہیں دیکھے ہوں گے۔''

"لیکن..."

وہ بولی۔ "اصولاً تو مجھے آپ کی بات مان لینی چاہیے۔ مگر کیا کروں' فطرتاً ضدی ہوں۔ جو ٹھان لیتی ہوں' وہ کر کے ہی دم لیتی ہوں۔ چاہے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔"

وہ بولا۔ "سوچ لیں۔ کہیں میری میزبانی کر کے بھی کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑ جائے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ زیرلب مسکرانے لگی۔ عجب جادوگری تھی۔ کوئی کسی کے ساتھ زبردستی کرے تو وہ جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی اپنائیت بھری زبردستی اچھی لگ رہی تھی۔ جیسے کوئی اپنی ملکیت پر حق جتاتا ہے، ایسے ہی وہ اُس پر حق جتا رہی تھی۔ اَن دیکھی زنجیر سے باندھ کر پوچھ رہی تھی... "کیا دامن چھڑا کر بھاگ سکتے ہو...؟"

محبوب کو اُس کی ضد پر پیار آ رہا تھا...

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ "پیار...؟"

اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں آپ کی ضد کا بھرم رکھ لیتا ہوں۔ مگر وعدہ کریں' کل اس سلسلے میں کوئی ضد نہیں کریں گی۔ مجھے میری مرضی کے مطابق کسی بھی ہوٹل میں جانے دیں گی۔"

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔ وہ بظاہر ہنس بول رہی تھی' خوش اور مطمئن دکھائی دے رہی تھی مگر اندر ہی اندر اپنے حالات پر غور کر رہی تھی۔ کسی نے اس کی جان لینا چاہی تھی۔

کس نے لینا چاہی تھی؟

اس کے دماغ میں مختلف افراد کے نام گھومنے لگے۔ کینہ اور بغض رکھنے والے ہر پروفیشن میں ہوتے ہیں۔ اس کے آس پاس بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو اوپر جانے والوں کی ٹانگ کھینچ کر خود ان سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ کلپنا کو جیسے جیسے شہرت اور کامیابی نصیب ہو رہی تھی' ویسے ویسے حاسدوں کی فہرست میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ یوں دیکھا جائے تو دشمن بہت سے تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہو رہا تھا کہ جان لیوا دشمنی کون کر سکتا ہے؟

اس "کون" کے پیچھے بہت سے چہرے تھے' بہت سے نام تھے۔ ان میں ایک نام ایس کے پچارا کا بھی تھا۔ اسے اس شہر کی بزنس کمیونٹی کا اہم ستون مانا جاتا تھا۔ وہ ایک ملٹی پروڈکٹ کمپنی کا مالک تھا۔ تیل' گھی، صابن اور شیمپو وغیرہ سے لے کر ہر طرح کے کاسمیٹکس اور انڈر گارمنٹس تک ایس کے پچارا کا نام ہی کوالٹی کی ضمانت تھا۔ جس چیز پر اس کے نام کی چھاپ ہوتی تھی' لوگ اسے آنکھ بند کر کے خرید لیتے تھے۔

وہ ایک شاطر سیاست دان بھی تھا۔ اس کے علاوہ شہر بھر کے پوش علاقوں میں اس نے کیسینو باز' کافی بار اور اسنوکر کلب قائم کیے ہوئے تھے۔ اپنی کامیابی کو اور بزنس کو مزید عروج دینے کے لیے شہر کی مصروف ترین مارکیٹ میں ایس کے پچارا کے نام سے ایک انٹرنیشنل لیول کا شاپنگ مال بھی تعمیر کرایا تھا۔

کامیابی کی ایسی بلندیوں کو چھونے کے بعد وہ جسے چاہتا تھا' اسے اپنے قدموں میں جھکنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس وقت وہ اسنوکر ڈیسک پر جھک کر ایک گیند کو ٹارگٹ بنا رہا تھا۔ اس دوران اسنوکر اسٹک اس کے ہاتھوں میں ہولے ہولے آگے پیچھے ہو رہی تھی۔ جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کو تاڑ کر نشانہ لینا چاہتا ہو۔

اسنوکر ڈیسک کے دوسری طرف ایک حسینہ بڑی ادا سے بل کھا کر یوں کھڑی ہوئی تھی کہ خوبصورت بدن کا انگ انگ واضح ہو رہا تھا مگر ایس کے پچارا کی نگاہیں مطلوبہ گیند پر جمی ہوئی تھیں۔ حسینہ نے اس کے سامنے ڈیسک پر جھک کر اس سفید گیند کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹارگٹ مشکل ہے۔"

وہ بڑی خود اعتمادی سے بولا۔ "ایس کے پچارا کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔"

"توہٹ کرو۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر نشانہ لیتے ہوئے اسٹک سے ایک گیند کو ہٹ لگائی۔ وہ سفید گیند سے ٹکرائی پھر دونوں گیندیں دائیں بائیں لڑھکتی ہوئی ڈیسک کے دو اطراف جا کر رک گئیں۔ شکار جیسے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے ناگواری سے سفید گیند کو دیکھا۔ پھر اسٹک کو ڈیسک پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "سالی بچ گئی..."

ایسے ہی وقت انسپکٹر سریش اس حملہ آور کے ساتھ اندر آیا تھا۔ پچارا کی بات سن کر ٹھٹک گیا۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کو کس نے خبر دی؟"

پچارا نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ "کیسی خبر...؟"

"کلپنا جی کے بچ جانے کی..."

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"یہ بکواس نہیں ہے۔ وہ بچ گئی ہے۔"

پچارا نے اپنے آلۂ کار کو سوالیہ نظروں سے گھورا۔ "کیسے بچ گئی؟ کیا تمہارے ریوالور میں گولیاں نہیں تھیں؟"

وہ ہچکچا کر بولا۔ "وہ... گولیاں تو تھیں..."

پچارا نے بات کاٹ کر پوچھا۔ "کیا ٹریگر دبانے کی طاقت نہیں تھی؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "ٹریگر تو دبایا تھا..."

"تو کیا گولی نے چلنے سے انکار کر دیا تھا؟"

"گولی بھی چلی تھی..."

"نشانہ خطا ہو گیا؟"

"میرا نشانہ کبھی چوکتا نہیں ہے۔ دراصل وہاں اچانک ہی معاملہ بگڑ گیا تھا۔"

پچارا نے انسپکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "تمہاری موجودگی میں معاملہ کیسے بگڑ گیا؟"

انسپکٹر بولا۔ "ایک چھوکرے نے اسے تاڑ لیا تھا۔ اُسی نے کلپنا جی کی جان بچا لی۔"

"کون چھوکرا...؟"

"کیا بتاؤں؟ ایسا لگتا ہے' وہ اس کی مدد کے لیے آسمان سے ٹپکا تھا۔ کوئی پاکستانی تھا۔ اپنا سامان لے کر باہر آ رہا تھا' اسی وقت اِس پر نظر پڑ گئی۔ کچھ لوگوں کو دوسروں کے معاملے میں کودنے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ بھی کود پڑا۔ یہ پروا کیے بغیر کہ گولی اسے بھی لگ سکتی تھی۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج کے زمانے میں جان کا رسک کون لیتا ہے؟"

وہ بولا۔ "دنیا میں ابھی ایسے جیالوں کی کمی نہیں ہے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "بے شک، کمی نہیں ہے اور ایسے جیالے پیسوں سے خریدے جاتے ہیں جو باڈی گارڈ بن کر رہتے ہیں۔ وہ کلپنا کا کوئی خفیہ باڈی گارڈ ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نے اس کا پاسپورٹ اور دوسرے ڈاکومینٹس چیک کیے تھے۔ وہ پی آئی اے کی فلائٹ سے اسی وقت وہاں پہنچا تھا۔ ویسے اس ساری گڑبڑ کے بعد چوہان کی شوٹنگ کینسل ہو گئی ہے۔ کلپنا جی بہت گرمی دکھا گئی ہیں۔"

پچارا نے ہاتھ مسل کر کہا۔ "اس کی گرمی نے ہی تو میرا دماغ گرم کر کے رکھا ہے۔ بہت تیور دکھائے تھے مجھے۔ صرف ایک ڈریس کی وجہ سے میرے پروجیکٹ پر تھوک کر چلی گئی تھی۔ سالی نہ جانے کس کس کے ساتھ لمحے گزارتی ہوں گی اور میرے کمرشل میں ایک بکنی پہننے سے انکار کر رہی تھی۔ بڑی پارسا بنتی ہے۔"

پھر وہ اپنے آلۂ کار کو دھتکارنے کے انداز میں بولا۔ "تم کیا سر جھکائے کھڑے ہو؟ جاؤ، دفع ہو جاؤ۔"

اس نے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا۔ حسینہ نے فوراً ہی قریب آ کر ایک لائٹر کے ذریعے اسے شعلہ دکھایا۔ وہ ایک دو کش لینے کے بعد بولا۔ "ان عورتوں کا یہی وتیرہ ہوتا ہے۔ جب کچھ نہیں ہوتیں' تب بہت کچھ بننے کے لیے ہم جیسے سرمایہ داروں کے آگے پیچھے دوڑتی ہیں۔ ایک ایک کمرشل کے لیے' ایک بار اپنا چہرہ ٹی وی پر دکھانے کے لیے بھیک کی طرح چانس مانگتی ہیں اور پھر جب کچھ بن جاتی ہیں تو ایسے نخرے اور پارسائی دکھاتی ہیں' جیسے دودھ کی دُھلی ہوں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "بے شک۔ شوبزنس میں ایسی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ مگر کلپنا جی کے بارے میں تو سنا ہے' انہوں نے لندن سے ماڈلنگ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔ مقابلۂ حسن جیتنے کے بعد وہ اپنے سرٹیفکیٹ کے ذریعے شوبزنس میں..."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "ارے یہ سب دکھاوا ہوتا ہے۔ تم نہیں جانتے' ان عورتوں نے اپنے بھاؤ بڑھانے کے نئے نئے طریقے نکال لیے ہیں۔ یہ ماڈلنگ کی تعلیم' ٹریننگ' مقابلۂ حسن... یہ سب ڈراما ہے۔ ہم جیسے سرمایہ دار پیسا لگاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں' ان تماشوں کے پیچھے کیا چلتا رہتا ہے؟"

اس حسینہ نے ایک پیگ بنا کر پچارا کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر ایک ہی گھونٹ میں ختم کرتے ہوئے بولا۔ "تم کیا سمجھتے ہو' وہ پارسا ہے؟"

اس حسینہ نے گلاس واپس لے کر دوسرا پیگ بنایا۔ انسپکٹر نے کہا۔ "مجھے کیا معلوم پچارا جی! ان باتوں کو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ کلپنا جی کا کوئی اسکینڈل نہیں ہے۔"

وہ حسینہ سے دوسرا پیگ لیتے ہوئے بولا۔ "کچھ عورتیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ اپنے سائے کو بھی معلوم نہیں ہونے دیتیں کہ کس کا ساتھ قبول کر رہی ہیں؟"

"مگر میڈیا والے تو بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ بند کمروں کی خبریں بھی باہر نکال لاتے ہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو..."

وہ سگریٹ فرش پر پھینک کر غصے سے بولا۔ "تو تم کیا سمجھ رہے ہو' میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ بکواس کر رہا ہوں؟"

''نہیں پچارا جی! میں تو...''
''کیا میں تو...؟ جب سے آئے ہو، اس سالی کی حمایت کیے جارہے ہو۔''
وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ ''اُس کی اتنی طرف داری نہ کرو کہ مجھے تمہاری طرف سے غداری کا شبہ ہونے لگے۔''
انسپکٹر نے کہا۔ ''مجھ پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے تو اپنی نوکری کو خطرے میں ڈالتے ہوئے آپ کا کام کیا ہے۔''
''اور کام کے صلے میں دام بھی ملے ہیں۔ تم نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔''
وہ پیگ خالی کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میرا تو وقت بھی ضائع ہوا اور پیسا بھی... وہ چڑیا تو پھر ہوگئی۔''
''قسمت کی دھنی ہے۔ ورنہ آپ کے آلۂ کار کو میں نے جہاں پہنچایا تھا' وہاں سے وہ کلپنا جی کو اوپر پہنچا کر ہی واپس آنے والا تھا۔''
وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ''ایسی بھی کیا خوش نصیبی؟ ہم نے کئی دنوں میں یہ منصوبہ بنایا تھا اور چند سیکنڈ میں سب چوپٹ ہوگیا۔''
اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے انسپکٹر کو دیکھا۔ ''بات حلق سے اتر نہیں رہی ہے۔ ایسا حقیقت میں کہاں ہوتا ہے؟ یہ تو کچھ فلمی سچویشن لگ رہی ہے کہ ہیرو نے آتے ہی بڑے ڈرامائی انداز میں ہیروئن کو بچالیا۔''
اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''جب کلپنا وہاں سے چلی گئی تو تم نے اس پاکستانی کے بارے میں معلوم کیا' وہ کہاں گیا؟''
''وہ تو میڈم کے ساتھ ہی گیا ہے۔''
اس نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ ''کیا...؟''
''ہاں۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ ان کے جانے کے بعد ہی میں آپ کے پاس آیا ہوں۔''
''وہ اسے کہاں لے گئی ہے؟ کیا اس کے کسی عزیز رشتے دار کے گھر یا پھر کسی ہوٹل میں...؟''
''معلوم نہیں۔''
وہ غصے سے بولا۔ ''بہت ہی احمق ہو تم... اس کا پیچھا کرکے یہ اہم معلومات حاصل کرنے کے بجائے میرے سامنے دُم ہلانے چلے آئے۔''
سریش چوپڑا نے ہچکچا کر ایک طرف کھڑی ہوئی حسینہ کو دیکھا۔ وہ زیرلب مسکرا رہی تھی۔ وہ بولا۔ ''میرا خیال ہے' ان کا پیچھا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔''

پچارا نے کہا۔ ''اپنے خیالات اپنے پاس ہی رکھو۔ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ وہ نوجوان اچانک ہی آسمان سے نہیں ٹپکا تھا۔ کلپنا کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔''
''یہ ضروری نہیں ہے۔ اس نے کلپنا جی کی مدد کی تھی۔ انہوں نے اسے لفٹ دی ہوگی۔''
''میں نے کہا نا، اپنے اندازوں کی کڑیاں نہ ملاؤ۔ جاکر معلوم کرو' کلپنا نے اسے کہاں پہنچایا ہے؟''
وہ تائید میں سر ہلا کر وہاں سے جانے لگا۔ پچارا نے کہا۔ ''مجھے فون پر انفارمیشن دینا۔ بار بار اپنی پولیس موبائل لے کر یہاں نہ آیا کرو۔''
''جی بہتر...''
وہ پلٹ کر چلا گیا۔ پچارا سوچتی ہوئی نظروں سے دروازے کو دیکھتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسے اپنی ناکامی پر غصہ آرہا تھا۔ حسینہ ایک پیگ بنا کر اسے دیتے ہوئے اس کے برابر میں ایسے بیٹھ گئی' جیسے گود میں بیٹھنا چاہتی ہو۔ پھر اس سے اور لگتے ہوئے بولی۔ ''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا کہ کلپنا کو جان سے مارنے والے ہو؟''
''کچھ معاملات راز میں رکھنے پڑتے ہیں۔''
وہ اس سے ذرا اور لگتے ہوئے بولی۔ ''کیا میں تمہاری ہم راز نہیں ہوں؟''
وہ ایک گھونٹ حلق سے اتار کر ناگواری سے بولا۔ ''پلیز آشا! میرا موڈ آف ہے۔''
وہ اس کے چہرے پر ایک انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔ ''تمہارے موڈ کو سمجھ رہی ہوں' اسی لیے اس معاملے پر بات کرنا چاہتی ہوں۔''
وہ سر جھٹک کر بولا۔ ''ایسا لگ رہا ہے' وہ مجھے ٹھینگا دکھا کر چلی گئی ہے۔ واقعی قسمت کی دھنی ہے۔ موت کے جبڑوں سے بچ کر نکل گئی۔''
''کیا تمہیں انتقام لینا نہیں آتا؟''
اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔ ''کیا مطلب...؟''
''انتقام کا مطلب موت نہیں ہوتا بلکہ دشمن کو موت سے بدتر زندگی دے کر سسک سسک کر جینے کے لیے چھوڑ دینا اصل میں انتقام کہلاتا ہے۔ تم تو اسے چند سیکنڈ میں ہی دنیا کے درد و غم سے رہائی دینے والے تھے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ بچ گئی۔''
اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے آشا کو دیکھا۔ ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کھل کر کہو۔''
وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''میں نے اور کلپنا

نے ایک ساتھ اس انڈسٹری میں قدم رکھا تھا مگر وہ ماڈل گرل بن گئی اور میں آج بھی کال گرل ہی ہوں۔ اس کی کامیابی اور میری مسلسل ناکامی نے مجھے حسد اور جلن میں مبتلا کردیا ہے۔''
پچارا نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی۔ آشا اسے شعلہ دکھاتے ہوئے بولی۔ ''تم نے بھی کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ اگر اپنی کمپنی کی مہنگی پروڈکٹ میں مجھ سے ماڈلنگ کراتے تو شاید میرا استارہ بھی چمک جاتا مگر...''
وہ بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''یہ فضول بحث ہے۔ میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں' اپنی ہر اہم پروڈکٹ کے کمرشل کے لیے مجھے بڑے بڑے ناموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہنگی مہنگی ماڈل گرلز کو ہائر کرتا ہوں کیونکہ بزنس کو سمجھتا ہوں' لوگوں کی نفسیات سے کھیلتا ہوں... دیکھنے والے متاثر ہوکر اور یہ سوچ کر وہ چیز ضرور خریدتے ہیں کہ فلاں سپر ماڈل بھی وہی پروڈکٹ استعمال کرتی ہے۔''
وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولی۔ ''جبکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ کوئی بھی سپر ماڈل یا ایکٹریس لوکل چیز استعمال نہیں کرتی۔''
''کوئی اندر کی بات نہیں جانتا۔ جو دِکھتا ہے' وہی بکتا ہے۔'' وہ ایک گہرا کش لینے کے بعد بولا۔ ''تم کلپنا کے بارے میں کچھ کہنے والی تھیں؟''
وہ بولی۔ ''یہاں سب ہی اپنا بزنس چمکا رہے ہیں۔ کوئی اپنی ذہانت کو کیش کراتا ہے اور کوئی اپنی خوبصورتی کو... ذرا سوچو! اگر تم سے تمہارا یہ کاروباری دماغ چھین لیا جائے تو تم کیا رہ جاؤ گے؟''
وہ شہادت کی انگلی کو اور انگوٹھے کو جوڑ کر دائرہ بناتے ہوئے بولا۔ ''زیرو...''
وہ اس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اور اس زیرو کے ساتھ آخری سانس تک جینا پڑے تو کیسا لگے گا؟''
''میں ایسی ناکام زندگی جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔''
''کلپنا کے پاس اس کی خوبصورتی اس کا بلینک چیک ہے جسے وہ خوب کیش کررہی ہے۔ تم تو بزنس مین ہو۔ کیا اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ کسی کی کمزوری سے کھیلنے میں جو خوشی اور کامیابی حاصل ہوتی ہے' وہ جان سے کھیلنے میں نہیں ہوتی۔''
اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے آشا کو دیکھا۔ وہ بولی۔ ''کلپنا کی زندگی کو نہیں' اس کی خوبصورتی کو چھینو۔ اس کے بغیر وہ زیرو ہوکر رہ جائے گی۔ اسے جان سے مارنے کا خیال دل سے نکال دو۔ اسے عبرت کا نشان بنا کر زندہ رکھو۔''
اس کی باتیں سنتے ہی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شہرت ہو یا دولت... دشمنی کے لیے دونوں ہی چیزیں بھری ہوئی بندوق کی طرح ہوتی ہیں۔ کلپنا کو اندازہ نہیں تھا کہ ایک کمرشل کو ٹھکرانے کا انجام کس حد تک سنگین ہوسکتا ہے؟ دشمن سامنے آکر' ڈنکے کی چوٹ پر دشمنی کرے تو اس سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر چھپ کر اچانک ہی وار کرنے والوں سے نمٹنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں صرف خوش قسمتی ہی کام آتی ہے۔
محبوب خان قسمت سے اس کی زندگی میں آیا تھا اور وہ خوش قسمتی سے اس وقت سانسیں لے رہی تھی۔ اس نے گھر پہنچ کر ڈرائیور سے کہا۔ ''محبوب صاحب کا سامان انیکسی میں لے جاؤ اور کسی ملازم سے کہو' وہاں کی صفائی کردے۔''
پھر محبوب سے کہا۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔''
وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ وہ ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ یہاں بیٹھیں۔ میں ابھی آئی۔''
وہ چلی گئی۔ اس نے چاروں طرف گھوم کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔ وہاں ایک دیوار پر کلپنا کی بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں اس تصویر پر ٹک کر رہ گئیں۔ ایسی کشش کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے مخصوص انداز میں ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بڑی دل ربائی سے ہنس رہی تھی۔ نہ جانے اس انداز میں کیسا سحر تھا؟ وہ جب بھی ایسے ہنستی تھی تو دل اس کی طرف کھنچنے لگتا تھا۔
ان لمحوں میں بھی یہی ہورہا تھا۔ وہ کھنچتا ہوا اس کے قریب آگیا۔ ایک ہاتھ سے اسے چھو کر دیکھنے لگا۔ اسے کلپنا کی قربت یاد آنے لگی۔ وہ چند لمحوں کے لیے اس کی گرفت میں آئی تھی پھر نکل گئی تھی۔ لیکن جیسے سینے سے دل نکال کر لے گئی تھی۔
محبوب کے سینے میں ایسے جذبات اور احساسات پہلے کبھی نہیں تھے۔ نوجوانی کی یہ پہلی دستک تھی جو دل میں بج رہی تھی۔
پہلے کوئی لڑکی اس طرح آکر نہیں لگی تھی بلکہ وہ جا کر اس سے لگا تھا۔ عجیب سا تجربہ تھا کہ آگ سے لپٹ کر گلزار ہو رہا تھا۔
وہ سوچتے سوچتے ٹھٹک گیا۔ تصویر سے چند قدم پیچھے ہوکر دھڑکتے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچنے لگا۔ 'میں کلپنا جی کے بارے میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں؟ کیوں اتنی

کشش محسوس کر رہا ہوں؟

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ’شاید اس لیے کہ زندگی میں پہلی بار پھول بدن کی نرمی گرمی اور اس کے گداز سے آگہی ملی ہے۔ جبکہ وہ ایک حادثاتی قربت تھی۔ مجھے اس حوالے سے زیادہ سوچنا نہیں چاہیے۔ یہ غلط بات ہے‘ میں نے اُن کی مدد کی ہے۔ وہ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے اپنے گھر لے آئی ہیں۔ مجھے ایسے خیالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔‘

مگر پرہیز کیسے کیا جائے؟ کھلتے ہوئے پھول کی خوشبو تو نہ چاہتے ہوئے بھی سانسوں میں جذب ہوتی رہتی ہے۔ کیا وہ سانسیں لینا چھوڑ دیتا؟ سانس لینے سے انکار کرنا‘ گویا فنا کو گلے لگانا ہے۔ ان لمحات میں جانے کیوں ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ گلے لگا چکا ہے اور فنا ہوتا جا رہا ہے۔

اپنی ذات سے دور اور اُس کی ذات میں محو ہوتا جا رہا ہے۔ اب اس سے نظریں نہیں چرا سکے گا۔ آنکھوں میں نور ہو تو نظاروں سے نظریں چرائی نہیں جا سکتیں۔

ایسے وقت کلپنا نے وہاں آتے ہوئے کہا۔ ”سوری، آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ بس تھوڑی دیر میں کھانا تیار ہو جائے گا۔ انیکسی کی صفائی ہو رہی ہے۔ کھانے کے بعد آپ اطمینان سے وہاں آرام کر سکیں گے۔ کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔“

”میرا خیال ہے‘ ڈسٹرب تو میں آپ کو کر رہا ہوں۔ آپ تھکی ہوئی آئی ہیں لیکن میری وجہ سے.....“

وہ بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ”ارے میں نے کون سا باہر جا کر پہاڑ توڑے ہیں۔ ایک کمرشل کی شوٹنگ کے لیے گئی تھی‘ وہ بھی حادثے کی نذر ہو گئی تو تھکن کیسی؟“

محبوب نے اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اسے دیکھنے کے بعد لگ رہا ہے‘ میں نے آپ کو اسکرین پر کہیں دیکھا ہے۔ بہت خوبصورت تصویر ہے۔“

”شکریہ.....!“

پھر وہ ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”آپ کے گھر میں بہت سناٹا ہے۔ میرا مطلب ہے‘ کوئی چہل پہل نہیں ہے۔ آپ کی فیملی.....؟“

”میری فیملی نہیں ہے۔ صرف پاپا ہیں۔ وہ لندن میں رہتے ہیں۔ وہاں رہ کر یہاں سیاست کرتے ہیں۔ میں پہلے ان کے ساتھ لندن میں ہی رہتی تھی۔ پھر اپنے دیش کی کشش یہاں کھینچ لائی۔ اگر دو افراد کو فیملی کہا جاتا ہے تو اس چھوٹی سی فیملی کا بھی بٹوارا ہو گیا ہے۔“

”اور آپ کی والدہ.....؟“

”اُن کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ پاپا نے دوسری شادی نہیں کی۔ یوں میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔“

ایسے ہی وقت گھر کے کسی حصے سے ٹیلی فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ پھر چند لمحوں تک چیختے رہنے کے بعد چپ ہو گئی۔ محبوب نے کہا۔ ”تھوڑی دیر پہلے بھی ٹیلی فون بجتا رہا تھا۔“

”میں نے بتایا تھا نا کہ اب اخبار والے اور مختلف نیوز چینل والے پریشان کرتے رہیں گے۔ میں کسی کے سوالوں کا جواب دینا نہیں چاہتی اسی لیے اٹینڈ نہیں کر رہی ہوں۔“

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسی وقت کال بیل سنائی دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ملازم نے آکر کلپنا سے کہا۔ ”انسپکٹر سریش چوپڑا آئے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

وہ ذرا بیزاری سے بولی۔ ”اُس حادثے نے جان نہیں لی ہے مگر اب یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔“

محبوب نے کہا۔ ”ممکن ہے‘ انہیں دشمن کا کوئی سراغ مل گیا ہو۔“

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ”آپ کی اور ہماری پولیس کی صرف وردیوں میں فرق ہے لیکن کارکردگی ایک جیسی ہے۔ یہ لوگ صرف کارروائیاں کرتے ہیں‘ کارنامے نہیں دکھاتے۔“

پھر اس نے ملازم سے کہا۔ ”تم جاؤ اور انہیں اندر بھیج دو۔“

ملازم جانے لگا۔ کلپنا نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”بلکہ رکو۔ انہیں لان میں بٹھاؤ۔ میں آتی ہوں۔“

ملازم نے باہر آکر انسپکٹر کو کلپنا کا پیغام دیا۔ وہ لان میں ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی کلپنا وہاں آگئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”سوری، آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔ اصل میں تفتیش کچھ ادھوری تھی‘ اسی لیے آنا پڑا۔ آپ تو سمجھ ہی سکتی ہیں۔ کارروائی شروع کرنی ہے۔“

”جی میں سمجھ رہی ہوں۔“

”مجھے اُس پاکستانی نوجوان کے بارے میں پوچھنا تھا‘ وہ کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے‘ وہ آپ کے ساتھ ائرپورٹ سے رخصت ہوا تھا۔“

”مجھے قتل کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ کسی دشمن نے مجھ پر گولی چلائی ہے اور آپ اس اہم معاملے کو چھوڑ کر اس نوجوان کے بارے میں جاننے آئے ہیں؟“

”کیونکہ اُس کا اس معاملے سے گہرا تعلق ہے۔“

”اُس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”تو آپ نے اسے صرف لفٹ دی تھی؟“

”آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں؟“

”یہی کہ آپ نے اسے کہاں پہنچایا ہے؟“

”کیا وہاں جا کر تفتیش کریں گے؟“

”ہم نے کہاں جا کر کیا کرنا ہے‘ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ مجھے ہوٹل کا نام بتا دیں۔“

”تاکہ آپ ایک بے گناہ کے پیچھے پڑ جائیں۔ اس کی نیکی کو اس کے لیے عذاب بنا دیں۔ ہے نا.....؟“

”آپ ناراض نہ ہوں۔ تفتیش کرنا ہماری مجبوری ہے اور پھر وہ پردیسی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ پاکستانی ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں‘ یہ لوگ یہاں آکر کیسے کیسے کرائم کرتے ہیں۔ دیش کے امن و امان کے لیے ہمیں ان پر کڑی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اس سے چند سوال کرنے ہیں اور بس.....“

کلپنا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک ملازم کو بلا کر کہا۔ ”ڈرائنگ روم میں جو صاحب بیٹھے ہیں‘ انہیں یہاں بھیج دو۔“

سریش چوپڑا بیٹھتے بیٹھتے ذرا ٹھٹک گیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس کو بلا رہی ہے؟ وہ اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”مجھے تو اب شرمندگی ہو رہی ہے۔ وہ شخص یہاں کرکٹ میچ دیکھنے اور انجوائے کرنے آیا ہے اور ہم اسے کیسے سنگین معاملے میں الجھا رہے ہیں؟“

”الجھنے والی کوئی بات ہی نہیں ہے.....“

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ سامنے سے محبوب خان آتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ ”یہ یہاں ہے؟“

وہ بولی۔ ”جی۔ ایک رات کے مہمان ہیں۔ کل ہوٹل میں شفٹ ہو جائیں گے۔“

اس نے قریب آکر انسپکٹر سے مصافحہ کیا۔ پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سریش نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ تمہارے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ تم کلپنا جی کے مہمان بن گئے ہو۔ لوگ تو ان کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستے ہیں اور تم ان کے ساتھ پوری ایک رات گزارنے والے ہو۔“

”کیا آپ یہی بتانے آئے ہیں؟“

”نہیں۔ میں تو تفتیش کے لیے آیا تھا۔ لیکن اب دیکھ رہا ہوں‘ کلپنا جی تم پر اتنا اعتماد کر رہی ہیں۔ اپنے گھر لے آئی ہیں۔ اب یہ ان کا پرسنل معاملہ ہو گیا ہے۔ میں تمہارے سلسلے میں اور کیا کہہ سکتا ہوں؟“

پھر وہ کلپنا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن پلیز..... آپ ہم سے تعاون کریں۔ اُن لوگوں کے نام نوٹ کروائیں جن پر شبہ ہے کہ وہ آپ سے جان لیوا دشمنی کر سکتے ہیں۔“

”میں کسی کا نام نہیں لوں گی۔ آپ اپنے طور پر انکوائری کریں۔“

”بغیر کسی نام کے‘ کسی شک و شبے کے ہم کیسے انکوائری کر سکتے ہیں؟ آپ کو ایف آئی آر تو درج کروانی ہی ہوگی۔“

”میں کوئی ایف آئی آر درج کروانا نہیں چاہتی۔“

”گویا قانون کی مدد لینا نہیں چاہتیں؟“

”یہی سمجھ لیں۔“

”معاملہ بہت گمبھیر ہے۔ لیکن میں محسوس کر رہا ہوں‘ آپ اسے بہت معمولی سمجھ رہی ہیں۔“

اس نے ایسا کہتے ہوئے محبوب کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ انسپکٹر نے کلپنا سے کہا۔ ”اگر آپ جیسی معزز شخصیات قانون سے تعاون نہیں کریں گی‘ دشمنوں کی نشاندہی کر کے انہیں ان کے بُرے انجام تک نہیں پہنچائیں گی تو.....“

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ”یہ قانون سے تعاون ہی ہے کہ میں بے وقت آپ سے ملاقات کر رہی ہوں۔ اپنے معزز مہمان کو تفتیش کے لیے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔“

”مگر کوئی بیان نہیں دے رہی ہیں۔ کسی کا نام نہیں لے رہی ہیں۔“

”میں بیان نہیں دوں گی‘ تب بھی صبح تک خبروں میں بہت کچھ آجائے گا۔“

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ”ٹھیک ہے تو میں چلتا ہوں۔ ویسے آپ چاہیں تو میں آپ کے گھر کے باہر سیکیورٹی الرٹ کروا سکتا ہوں۔“

”نو تھینکس..... اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سیکیورٹی کے لیے میرے گارڈز کافی ہیں۔“

اس نے محبوب خان کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”گارڈز کے معاملے میں آپ کی چوائس بہت زبردست ہے۔ ان کے سامنے تو بندوق سے نکلی گولی بھی ہار جاتی ہے۔“

محبوب خان نے جواباً کچھ نہ کہا۔ وہ مصافحہ کر کے

رخصت ہوگیا۔ کلپنا نے اس کے جانے کے بعد کہا۔ ''میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ یہ بدھو آپ کو میرا کوئی خفیہ باڈی گارڈ سمجھ رہا ہے۔''

وہ بول کر مسکرانے لگی۔ مگر محبوب سنجیدہ تھا' کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کلپنا نے پوچھا۔ ''آپ کو کیا ہوا؟ اتنے گم صم کیوں بیٹھے ہیں؟''

''آپ نے اپنی ضد پوری کرلی' مجھے اپنے گھر لے آئیں۔ لیکن میری مہمان نوازی آپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔''

''وہ کیسے...؟''

''کیا آپ نے محسوس نہیں کیا' میرے یہاں ایک رات رکنے کے سلسلے میں بات کرتے ہوئے اس کا انداز کتنا بے ہودہ تھا؟ مجھے اس کا لہجہ' اس کی باتیں اچھی نہیں لگیں۔''

''کسی بات کا اثر نہ لیں۔ دنیا والوں کا کام ہے بولنا' انہیں بولنے دیں۔''

''مگر کسی کو کچھ بولنے کا موقع کیوں دیا جائے؟ اگرچہ آپ میری اپنی نہیں ہیں...پرائی ہیں' انجانی ہیں لیکن اپنے پرائے سے کیا ہوتا ہے؟ کسی بھی خاتون کی عزت اور اس کا وقار میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ میری وجہ سے آپ کی نیک نامی پر کوئی حرف بھی آئے۔''

وہ چند لمحوں تک خاموش رہی' بڑی لگن سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر جیسے خیالوں سے چونک کر بولی۔ ''ویسے میں کسی کی پروا نہیں کرتی۔''

''لیکن مجھے آپ کی پروا ہے۔ پلیز... مجھے کسی ہوٹل میں جانے دیں۔''

''پروا ہے تو جانے کی باتیں نہ کریں اور انسپکٹر کی باتوں کو اتنی اہمیت نہ دیں۔ دراصل وہ میرے معاملے کو ہینڈل کرکے نام کمانا چاہتا ہے۔ بیان میں کوئی بیان نہیں دے رہی ہوں' کسی دشمن کی نشاندہی کرکے ایف آئی درج نہیں کرائی ہے۔ اسی لیے وہ تلملا رہا ہے۔ خوامخواہ آپ کو اس معاملے میں الجھانا چاہتا تھا۔ لیکن اب اس کی تسلی ہوگئی ہے۔''

وہ تھوڑی دیر تک لان میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر ایک ملازمہ نے آکے بتایا کہ کھانا لگایا جاچکا ہے۔ وہ دونوں ڈائننگ ہال میں آگئے۔

دوسری طرف یہ خبر ایس کے پجارا تک پہنچائی جاچکی تھی کہ محبوب خان کلپنا کے گھر میں ہے۔ وہ فون پر بولا۔ ''پہلے صرف شک تھا لیکن اب یقین ہوگیا ہے' کلپنا کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ تم نے کہا تھا چوپڑا... آج تک کلپنا کا کوئی اسکینڈل سامنے نہیں آیا... مگر اب آئے گا۔ وہ بھی ایک مسلمان کے ساتھ... اور سونے پہ سہاگا یہ کہ وہ پاکستانی ہے۔ یہ اسکینڈل صرف اس کے قدردانوں میں ہی نہیں' سیاستدانوں میں بھی ہلچل مچادے گا۔''

ایک چھوٹی سی بات سے معاملات کیسے الجھنا اور بگڑنا شروع ہوتے ہیں' یہ پہلے معلوم نہیں ہوتا۔ پھر دھیرے دھیرے اندازہ ہوتا رہتا ہے۔ کلپنا اپنے دشمنوں کے عزائم سے فی الحال ناواقف تھی۔

کھانے کے بعد محبوب انیکسی میں آگیا۔ پھر موبائل نکال کر نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر چھوٹی بہن کی آواز سنائی دی۔ ''آپ کی فلائٹ تو دو گھنٹے پہلے وہاں پہنچ گئی تھی۔ پھر اتنی دیر بعد فون کیوں کررہے ہیں؟ کہاں تھے؟ کب سے انتظار کررہی تھی؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''جانتا ہوں۔ اسی لیے فرصت ملتے ہی فون کررہا ہوں۔''

''پتا ہے' امی ابو اور بھائی بھابھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے ہیں۔ ایک میں ہی انتظار میں جل رہی تھی۔ اور وہ دیکھیں! دونوں کمروں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ وہاں سے ں اور یہاں سے بھائی جان برآمد ہورہے ہیں۔''

اسے ماں کی آواز دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ ''کیا محبوب کا فون ہے؟ لا... مجھے بات کرنے دے...''

محبوب نے مسکرا کر بہن سے کہا۔ ''امی کو فون دے دو۔ ہم دونوں بعد میں اطمینان سے باتیں کریں گے۔''

اس نے فون ماں کو دے دیا۔ وہ ریسیور کو چوم کر بڑے جذبے سے بولی۔ ''کیسے ہو میرے بچے...؟ خیریت سے پہنچ گئے ہو نا؟''

''جی امی! میں بالکل خیریت سے ہوں۔ بس آپ کی فکر تھی۔ مجھے گھر سے رخصت کرتے ہوئے بہت رو رہی تھیں اور لگتا ہے' اب بھی رو رہی ہیں؟''

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ''نہ میری جان! میں رو نہیں رہی ہوں۔ تیری آواز سن کر خوش ہورہی ہوں۔ تیرے بغیر یہ گھر تو سونا ہوگیا ہے۔ تو جلدی آئے گا نا؟''

باپ کی آواز سنائی دی۔ ''کیا کرتی ہو؟ آج تو وہ وہاں پہنچا ہے اور تم واپسی کی باتیں کررہی ہو؟ لاؤ' فون مجھے دو۔''

''کیوں دوں؟ اتنی دیر بعد تو بیٹے کی آواز سن رہی ہوں۔ مجھے بات کرنے دیں۔''

''تم بات نہیں کررہی ہو۔ آنسو بہا کر اسے پریشان کررہی ہو۔''

''کوئی ماں اپنے بچے کو پریشان نہیں کرتی بلکہ اس کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہے۔''

''ہاں۔ اسی لیے جائے نماز سے نہیں اٹھ رہی تھیں۔ مگر اب تو اس کی خیریت کا فون آگیا ہے۔ اس سے اچھی اچھی باتیں کرو۔ یہ رونا دھونا کس بات کا ہے؟''

محبوب نے کہا۔ ''ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ روتی رہیں گی تو یہاں میرا دل نہیں لگے گا۔''

''تو اپنے شوق کی تکمیل کے لیے انڈیا گیا ہے۔ تیرا دل تو وہاں لگ ہی جائے گا۔ مگر تیرے آنے تک میرا جی یہاں نہیں لگے گا۔ میچ ختم ہوتے ہی آجانا...''

باپ نے ریسیور اچک کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری ماں ان باتوں سے باز نہیں آئے گی۔''

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ کرلو اپنی من مانی۔ میں بعد میں خود ہی نمبر ملا کر اپنے بیٹے سے جی بھر کر باتیں کروں گی۔ پہرے دار کی طرح سر پر کھڑے ہیں۔ ارے ماں ہوں' کیا اپنے بیٹے کی جدائی میں رو نہیں سکتی' کچھ بول نہیں سکتی؟''

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ بیٹی نے روکنا چاہا۔ وہ بولی۔ ''اس کی خیریت کے لیے نفل ماننے تھے۔ پڑھنے جارہی ہوں۔''

وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ محبوب نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ نے امی کو ناراض کردیا۔''

''تم انہیں چھوڑو۔ یہ بتاؤ' کس ہوٹل میں ٹھہرے ہو؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''ہوٹل میں نہیں ہوں۔ انیکسی میں ہوں۔''

''انیکسی میں...؟''

''جی... ایک چھوٹا سا حادثہ مجھے ائرپورٹ سے یہاں لے آیا ہے۔''

پھر وہ مختصراً اسے سارا واقعہ سنانے لگا۔ وہ اس کی باتیں سن کر بولا۔ ''یہ تم کیسے جھمیلے میں الجھ گئے ہو؟ تمہیں وہاں کسی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

''میرے سامنے کوئی ایک خاتون کو گولی مارنا چاہتا تھا' اس کی جان لینا چاہتا تھا تو کیا میں تماشائی بن کر تماشا دیکھتا رہتا؟''

''جان بچانے کا یا کسی کی مدد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے گھر تک پہنچ جاؤ۔''

''میں آپ کو بتا چکا ہوں' کلپنا جی نے بے حد اصرار کیا تھا' اس لیے صرف ایک رات گزارنے یہاں آگیا ہوں۔''

''اور تم بتا رہے ہو کہ انسپکٹر تمہیں ڈھونڈتا ہوا وہاں تک پہنچ گیا تھا؟''

بڑے بیٹے نے ٹھٹک کر سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔ دوسری طرف سے محبوب نے کہا۔ ''وہ معاملہ تو اب کلیئر ہوگیا ہے۔ وہ میری طرف سے مطمئن ہوکر گیا ہے۔''

باپ نے ذرا پریشانی سے بڑے بیٹے کو دیکھتے ہوئے فون پر کہا۔ ''تم پاکستان اور بھارت کے تعلقات کو اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ لوگ رائی کا پربت بنانے میں دیر نہیں کرتے۔ خدا کے لیے اُس لڑکی سے اور اس کے معاملات سے دور رہو۔ اس گھر سے نکلو اور کسی ہوٹل میں جاکر کمرا لو۔''

''اب تو صبح ہی جاسکوں گا۔''

بڑے بیٹے نے بے چین ہوکر پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے ابو؟ محبوب وہاں خیریت سے تو ہے نا؟''

اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی بتاتا ہوں۔''

پھر فون پر کہا۔ ''صبح زیادہ سے زیادہ دس گیارہ بجے تک مجھے فون کرکے بتاؤ کہ کس ہوٹل میں کمرا لیا ہے؟ رات گزارنے کا مطلب' صرف رات ہی ہونی چاہیے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی وہاں سے نکلو۔ ورنہ میں تمہیں واپس بلالوں گا اور تمہیں باپ کا حکم ماننا پڑے گا۔''

''وانکھیڑے اسٹیڈیم میں پاک بھارت میچ دیکھنے کا خواب پورا ہونے والا ہے۔ میں تعبیر کے اتنے قریب پہنچنے کے بعد ایسا سنہری موقع گنوانا نہیں چاہوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

باپ نے ذرا مطمئن ہوکر ریسیور بڑے بیٹے کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر کہا۔ ''کیا بات ہے محبوب؟ کیا تم وہاں کسی پریشانی میں گھر گئے ہو؟''

''نہیں بھائی جان! کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ابو آپ کو تفصیل سے بتائیں گے تو ساری بات سمجھ میں آجائے گی۔''

دونوں بھائیوں کے درمیان تھوڑی دیر تک باتیں ہوئیں۔ پھر ریسیور بہن کے ہاتھ میں آگیا۔ وہ جلدی جان چھوڑنے والی نہیں تھی۔ لیکن بھائی کی سفری تھکن کا خیال تھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر تک باتیں کرنے کے بعد ان کے درمیان رابطہ ختم ہوگیا۔

☆☆☆

دوسری صبح تھکن کے باوجود وہ جلد ہی بیدار ہوگیا۔ باپ کی طرف سے ملنے والی مہلت سے پہلے ہی کلپنا کے گھر سے نکل جانا چاہتا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ والد صاحب اپنی دھمکی پر عمل درآمد کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ واپس بلائیں گے تو اسے ہر حال میں ان کی بات ماننی پڑے گی۔

وہ فریش ہوکر واش روم سے باہر آیا تو بیڈ کے سرہانے والی میز پر جوس کے گلاس کے ساتھ انگریزی اخبار رکھا ہوا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر سرسری انداز میں دیکھنے لگا۔ اسے خبروں سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اسپورٹس نیوز کا صفحہ تلاش کرنے لگا۔ مگر دو صفحات پلٹتے ہی ٹھٹک گیا۔ وہاں کلپنا کی تصویر کے ساتھ کل رات کے واقعے کی خبر شائع کی گئی تھی۔ یہ ایک متوقع بات تھی۔ سپر ماڈل کے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا' اسے خبر تو بننا ہی تھا۔ مگر ٹھٹکنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تصویر کے ساتھ ہی محبوب خان کی تصویر بھی شائع کی گئی تھی۔

وہ خبر کی تفصیلات پڑھنے لگا۔ الف سے یے تک پورا واقعہ بیان کیا گیا تھا۔ لیکن آخری پیراگراف نے محبوب خان کو الجھا دیا۔ وہاں لکھا تھا۔ ''کلپنا جی اپنے پاکستانی محسن کو مہمان بنا کر اپنے گھر لے گئی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مہمان نوازی کتنے دنوں تک جاری رہے گی؟ یہ خیال بھی قائم کیا جارہا ہے کہ وہ پاکستانی نوجوان ان کا کوئی خفیہ باڈی گارڈ ہوسکتا ہے۔ اس خیال کے پیچھے کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا ہمارے دیش میں جان پر کھیل جانے والے انگ رکھشک جیالوں کی کمی ہے؟ اگر نہیں ہے تو کلپنا جی نے پڑوسی ملک کے شخص کو باڈی گارڈ کیوں بنایا؟

''وہ پاک بھارت کرکٹ سیریز دیکھنے کے لیے انڈیا آیا ہے اور خود بھی کرکٹر ہے۔ انڈر نائنٹین میں کھیلتا ہے۔ جلد ہی اپنے ملک کی ٹیم میں شامل ہونے والا ہے اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ کلپنا جی کرکٹ کی دیوانی ہیں۔

''ان کڑیوں کو ملانے سے کلپنا جی کے ایکسیڈنٹ کا معاملہ کچھ الجھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حادثہ اتفاقی تھا۔ مگر اس پاکستانی نوجوان کی بروقت آمد اتفاقی نہیں تھی۔ سچ اور جھوٹ کا پردہ نہیں اٹھ رہا ہے کیونکہ کلپنا جی کوئی بھی بیان دینے سے صاف انکار کررہی ہیں۔ ہماری نیوز ٹیم اور دیگر چینلز کے افراد انٹرویو لینے ان کے گھر گئے تھے۔ مگر انہوں نے کسی کا سامنا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ قانون سے بھی تعاون نہیں کیا۔ شاید کلپنا جی اپنے مہمان کی مہمان نوازی میں بہت مصروف ہیں۔ ایسے تمام حقائق بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہے ہیں۔''

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہاں اس کی پاسپورٹ والی تصویر کو اِن لارج کرکے شائع کیا گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کلپنا کے حادثے والے معاملے کو اس انداز سے پیش کیا جائے گا؟ بات کا بتنگڑ بنایا جارہا تھا۔

اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ساڑھے نو بج رہے تھے۔ ایسے وقت ایک ملازم نے وہاں آکر پوچھا۔ ''ناشتا یہیں کریں گے یا ڈائننگ ہال میں آئیں گے؟''

اس نے پوچھا۔ ''میڈم جاگ گئی ہیں؟''

''جی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں ہیں۔''

''کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟''

''انہوں نے کہا ہے' اگر آپ ڈائننگ ہال میں آنا چاہیں گے تو وہ آپ کے ساتھ ہی ناشتا کریں گی۔''

''ٹھیک ہے' تم جاؤ۔ میں چینج کرکے آتا ہوں۔''

ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہوکر ڈائننگ ہال میں پہنچا تو کلپنا میز پر اس کی منتظر تھی۔ سادگی میں تو اور بھی پرکشش لگ رہی تھی۔ وہ دھلی دھلائی' نکھری نکھری سی تھی۔ مگر چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے جیسے رات کو ٹھیک سے سو نہ پائی ہو۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''گڈ مارننگ...!''

محبوب خان نے ''مارننگ'' کہہ کر وہ اخباری صفحہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی ضد نے دیکھیں کیا کیا ہے؟''

وہ اخبار پڑھ چکی تھی۔ اس صفحے کو ایک طرف کرتے ہوئے بولی۔ ''میری ضد...؟''

''ہاں۔ اگر آپ مجھے لفٹ نہ دیتیں' یہاں نہ لاتیں اور کسی ہوٹل میں جانے دیتیں تو ان لوگوں کو ایسی الٹی سیدھی خبر شائع کرنے کا موقع نہ ملتا۔''

کلپنا نے ایک گہری سانس لے کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ محبوب نے پوچھا۔ ''کیا رات کو پریس والے آئے تھے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں... لیکن میں نے ملاقات نہیں کی۔''

''آپ کا یہ طریقۂ کار سراسر غلط ہے۔ آپ نے پولیس والوں سے تعاون نہیں کیا۔ کم ازکم پریس والوں سے تو ملاقات کرنی چاہیے تھی۔ آپ کی خاموشی سب ہی کو شکوک و شبہات میں مبتلا کررہی ہے۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ اس معاملے کو اس طرح اُچھالیں گے۔ معاملے کا تمام رُخ آپ کی طرف موڑا جارہا ہے۔''

''مجھے تو اس بات پر شدید حیرت ہورہی ہے کہ انہوں نے راتوں رات میرے بارے میں یہ تمام معلومات کیسے حاصل کرلیں؟''

''یقیناً آپ کے سلسلے میں اچھی خاصی چھان بین کی گئی ہوگی۔''

وہ دونوں ذرا دیر چپ رہے پھر کلپنا نے کہا۔ ''دو گھنٹے بعد میں نے پریس کانفرنس کال کی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں کیسا انکشاف کرتی ہوں؟ یہ لوگ چاہتے ہیں' میں دشمن کی نشاندہی کروں تو کروں گی۔ پھر دیکھوں گی' کیا کارروائی کی جائے گی؟''

وہ کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں پندرہ بیس منٹ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میرا خیال ہے' آپ ڈر گئے۔''

''ہاں۔ میں ڈر گیا ہوں۔ ڈر گیا ہوں آپ کی بدنامی سے... آپ نے باتوں باتوں میں ذکر کیا تھا کہ آج تک آپ کا کوئی اسکینڈل نہیں بنا۔ اور آج یہ لوگ آپ کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ الٹے سیدھے سوالات جنم لے رہے ہیں۔ میرے اور آپ کے بارے میں معنی خیز باتیں کی جارہی ہیں۔ کیا آپ کو بُرا نہیں لگ رہا ہے؟ آپ کی صاف ستھری پروفیشنل لائف کو داغ دار کیا جارہا ہے۔''

وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ ''ہم جس سے ہاتھ ملاتے ہیں' جسے اپنا دوست مانتے ہیں تو اس کی عزت کو بھی اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ یقین جانیں' اس اجنبی ملک کے اجنبی لوگوں میں آپ مجھے اپنی اپنی سی لگی ہیں۔ اور اپنوں کی عزت پر کوئی حرف آئے تو بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ رات انسپکٹر کی باتوں نے ہی سمجھا دیا تھا کہ میرا آپ کے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن پھر آپ نے اطمینان دلایا کہ ایسا کچھ ہونے والا نہیں ہے۔''

وہ بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہی تھی' سن رہی تھی۔ ان لمحوں میں جیسے دنیا کی تمام آوازیں ختم ہوگئی تھیں۔ بس وہ سنائی دے رہا تھا۔ جی چاہتا تھا' وہ بولتا رہے۔ اس کے بارے میں بہت کچھ بولتا رہے اور وہ اسی طرح سنتی رہے۔ وہ اس کے لیے فکر مند تھا' اس کی بدنامی پر جھنجلا رہا تھا۔ اسے بڑی اپنائیت سے اپنا کہہ رہا تھا۔

وہ اسے سنتے ہوئے خود کو ٹٹول رہی تھی۔ اس نے جس راستے پر چل کر اپنی نیک نامی کو بحال رکھتے ہوئے شوبزنس کی فیلڈ میں نام کمایا تھا' اسے محبوب خان کے نام کے ساتھ بدنام کیا جارہا تھا۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ کلپنا کو وہ صدمہ نہیں پہنچ رہا تھا جو پہنچنا چاہیے تھا۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ محبوب ٹیبل کو دستک دینے کے انداز میں بجاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ''آپ سن رہی ہیں نا' میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''ہاں' سن رہی ہوں۔ ٹھیک ہے' آپ اپنا سامان پیک کریں۔ میری گاڑی آپ کو کسی بھی ہوٹل تک پہنچا دے گی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔''

''میں آپ کی بات مان رہی ہوں' زبردستی روک نہیں رہی۔ اس لیے آپ کو بھی میری بات ماننی پڑے گی۔ سامان پیک کریں۔ میں ملازم کو کہتی ہوں' وہ اسے گاڑی میں رکھ دے گا۔''

وہ کچھ بولنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت کلپنا کے موبائل فون نے مخاطب کیا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''ایکسکیوز می! ڈیڈ کال کررہے ہیں۔ سی یو لیٹر...!''

وہ کال اٹینڈ کرکے باپ سے باتیں کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر ذرا چونک گیا۔ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا انیکسی میں آیا۔ پھر چارجر سے لگے ہوئے فون کو اٹھا کر زیرِ لب بڑبڑایا۔ ''اسے تو آن کرنا ہی بھول گیا۔''

اس نے فون کو آن کرکے ایک طرف رکھا۔ پھر ضرورت کے لیے جو سامان نکالا تھا' اسے بیگ میں رکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک ملازم وہاں آکر اس کا سامان لے گیا۔ محبوب خان انیکسی سے نکل کر کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف جانے لگا پھر ایک ملازمہ سے کہا۔ ''مجھے میڈم سے ملنا ہے۔''

وہ بولی۔ ''وہ اندر نہیں ہیں' اپنی گاڑی میں ہیں۔''

محبوب خان پورچ کی طرف آیا۔ ملازم ڈکی میں سامان رکھ رہا تھا اور کلپنا اسٹیئرنگ سیٹ پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گاڑی کے قریب آکر تعجب سے بولا۔ ''آپ یہاں...؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''ہاں... کیوں؟ میں یہاں نہیں ہوسکتی؟ گھبرائیں نہیں۔ ڈرائیونگ جانتی ہوں' اسی لیے اسٹیئرنگ سنبھالا ہے۔ آپ اندر تو آکر بیٹھیں۔''

وہ دوسری طرف سے آکر اس کے برابر والی سیٹ پر

بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن میں ڈرائیور کے ساتھ جاسکتا تھا۔ دو گھنٹے بعد آپ کی پریس کانفرنس ہے۔ آپ کو گھر پر رہنا چاہیے۔“

وہ مسکرا کر کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھاتے ہوئے احاطے سے باہر آگئی پھر بولی۔ ”ڈرائیور نے آج چھٹی کی ہے۔“

”آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں ٹیکسی سے چلا جاتا۔“

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولی۔ ”مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ مگر آپ سے کہہ چکی تھی کہ میری گاڑی میں جائیں گے۔ اس لیے خود ہی ڈرائیور بن گئی۔“

وہ بول کر مسکرانے لگی۔ محبوب نے کہا۔ ”پلیز کلپنا جی! مجھے مین روڈ پر اتار دیں۔ میں ٹیکسی رکشا سے چلا جاؤں گا۔ آپ میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ اٹھائیں۔“

”میں گھر سے نکل چکی ہوں‘ اب تو آپ کو منزل تک پہنچا کر ہی دم لوں گی۔“

”میڈیا والے آپ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی دیکھ لے گا تو اس بات کو بھی اشتہار بنا دے گا۔ کم از کم آپ کو ان حالات میں تو احتیاط برتنی چاہیے۔“

”آپ دیکھ رہے ہیں‘ میری گاڑی کے شیشے کلرڈ ہیں۔ پھر بھی یہ پریس، میڈیا کے لوگ قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ کہیں سے بھی کوئی بھی تاڑ سکتا ہے۔ لیکن مجھے پروا نہیں ہے۔ میں نے آپ کو اپنا مہمان بنایا ہے۔ مہمان داری سے باز نہیں آؤں گی۔“

پھر وہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے اپنا موبائل فون تھام کر بولی۔ ”چھوڑیں ان باتوں کو... اپنا نمبر بولیں۔“

”میرا نمبر...؟“

”اصولاً تو آپ کو میرا نمبر مانگنا چاہیے تھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی الٹی گنگا بھی بہتی ہے۔ جلدی بولیں۔ میں اپنے پاس سیو کروں گی۔“

اس نے اپنا موبائل نمبر بتایا۔ وہ اسے سیو کر کے ڈائل کرتے ہوئے بولی۔ ”میں مس کال کر رہی ہوں۔ میرا نمبر سیو کرلیں۔“

چند لمحوں بعد ہی محبوب کے فون کی کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو گھر سے فون ہے۔“

وہ اسے کان سے لگا کر بولا۔ ”ہیلو...!“

دوسری طرف سے باپ کی آواز سنائی دی۔ ”کہاں ہو تم؟“

وہ سلام کرنے کے بعد بولا۔ ”میں راستے میں ہوں۔ ابھی ہوٹل پہنچتے ہی آپ سے رابطہ کروں گا۔“

”اچھی بات ہے۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔“

اس نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ ایسے ہی وقت دوبارہ ٹون سنائی دی۔ اجنبی نمبر سے کال تھی۔ کلپنا نے کہا۔ ”یہ میرا نمبر ہے۔“

محبوب خان نے اسے کلپنا کے نام سے سیو کرلیا۔ پھر ذرا ہچکچا کر کہا۔ ”میں نے نمبر تو محفوظ کرلیا ہے لیکن آپ کی نیک نامی کی خاطر چاہوں گا کہ ہم ایک دوسرے سے رابطہ نہ رکھیں۔“

”کس کو کس سے ملنا ہے، کس سے بچھڑنا ہے اور کس سے ملتے رہنا ہے؟ یہ سب تو اوپر والا طے کرتا ہے۔ اسی نے ہمیں ملایا ہے۔ ہم سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک دوسرے کے جیون میں نہیں آئے۔ اوپر والے نے راہیں ہموار کی ہیں۔ اسے منظور ہوگا تو آئندہ بھی ملنے کے راستے ہموار کرتا رہے گا۔“

وہ قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ کلپنا نے پوچھا۔ ”کیا آپ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ اوپر والا جو کرتا ہے‘ اچھے کے لیے کرتا ہے؟“

”بے شک۔ اس حقیقت پر تو ایمان کی حد تک یقین رکھتا ہوں۔“

”تو پھر اچھے کو اچھا جانو۔ انسان کی سوچ مثبت ہو تو زندگی کی ہر ادا‘ ہر رنگ اچھا لگتا ہے۔“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔ ”میں کہتی ہوں‘ ہمیں دنیا والوں سے نہیں‘ صرف اوپر والے سے ڈرنا چاہیے۔ انسان کے اختیار میں اگر کچھ ہوتا تو مجھ سے دشمنی کرنے والے کل میری سانسیں چھین چکے ہوتے۔ لیکن اوپر والے نے نہیں چاہا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میری سانسیں بچانے کے لیے آپ کو وسیلہ بنا کر بھیج دیا۔“

”آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔“

”میرا یہی ماننا ہے۔ ایشور چاہے گا تو باڈی گارڈز کی بھیڑ میں بھی مجھے اپنے پاس بلا لے گا۔“

وہ قائل کر دینے والی باتیں کر رہی تھی۔ اس کی ایک ایک بات دل میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ کلپنا نے گاڑی کو ایک ہوٹل کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ ”یہ فائیو اسٹار ہے۔ وانکھیڑے اسٹیڈیم سے بھی نزدیک ہے اور

میرے گھر سے بھی... آپ جا کر روم وغیرہ دیکھ لیں۔ میں یہاں انتظار کروں گی۔ پسند نہ آئے تو کہیں اور چلیں گے۔“

”نہیں۔ اب آپ کوئی تکلیف نہ کریں۔ میں یہیں اسٹے کروں گا۔“

وہ اس سے رخصت ہو کر اپنا سامان لے کر ہوٹل کی عمارت کی طرف جانے لگا۔ کلپنا اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

محبوب خان کو اپنے روم میں آئے پندرہ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ فون پر اپنے والد سے باتوں میں مصروف تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ کس ہوٹل میں رہائش اختیار کی ہے؟ باپ مطمئن ہو گیا تھا اور ادھر محبوب اس بات پر مطمئن ہو رہا تھا کہ گھر والوں کو کلپنا کے اور اس کے اسکینڈل کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔ وہ دیارِ غیر میں تھا‘ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کی الٹی سیدھی خبریں ان کے کانوں تک پہنچیں اور باپ پریشان ہو کر فوراً ہی اسے واپسی کا حکم سنا دے۔ اس نے سوچ لیا تھا‘ کرکٹ سیریز ختم ہوتے ہی اپنے ملک روانہ ہو جائے گا۔

دستک دوبارہ سنائی دی۔ اس نے فون بند کر کے دروازہ کھولا تو ایک دم سے چونک گیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر انسپکٹر سریش چوپڑا دکھائی دے رہا تھا۔ محبوب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ یہاں...؟“

”یہی سمجھانے آیا ہوں کہ میں کہیں بھی پہنچ سکتا ہوں۔“

”کیا آپ میرا پیچھا کر رہے تھے؟“

”معاملہ اچھوتا اور حیرت انگیز ہو تو اس کی گہرائی تک پہنچنے کا تجسس رہتا ہے۔ بہت تعجب ہوا یہ دیکھ کر کہ کلپنا جی ڈرائیور بن کر تمہیں یہاں تک پہنچانے آئی تھیں۔“

”اوہ... تو آپ واقعی میرا پیچھا کر رہے تھے۔“

”جب تک سچائی معلوم نہیں ہوگی‘ تب تک پیچھے پڑا رہوں گا۔“

”آپ خوامخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔“

”میں اپنی ڈیوٹی کر رہا ہوں۔“

”کلپنا جی کے کسی دشمن کو چھوڑ کر میرے پیچھے پڑے ہیں‘ یہ کیسی ڈیوٹی ہے؟“

”یہی تو جاننا ہے کہ دشمن کون ہے؟“

”اس معلومات کے لیے میڈم کے پاس جائیں۔ وہ آج پریس کانفرنس میں کوئی انکشاف کرنے والی ہیں۔ ممکن ہے‘ کسی دشمن کی نشاندہی کریں۔ لیکن میرا ان کے کسی بھی معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ پلیز، مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ میں یہاں کھیل انجوائے کرنے آیا ہوں اور آپ دیکھیں گے کہ کرکٹ سیریز ختم ہوتے ہی چلا جاؤں گا۔“

”اخباروں میں اور نیوز چینل پر کلپنا جی کے ساتھ تمہارا نام آ رہا ہے۔ تم تو یہاں قدم رکھتے ہی خبر بن گئے ہو۔“

”اسے میں خبر نہیں‘ افواہ کہوں گا اور افواہیں پانی کے بلبلے جیسی ہوتی ہیں۔“

”دیکھتے ہیں‘ تمہارا بلبلہ کب پھوٹتا ہے؟ اب میں چلتا ہوں۔ مگر آتا جاتا رہوں گا۔“

محبوب نے جواباً کچھ نہ کہا۔ خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ انسپکٹر سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس اپنے وطن کی ہو یا پرائے ملک کی‘ بات کا بتنگڑ بنانے اور معمولی سے معاملے کو الجھا کر بڑا مسئلہ بنانے میں دیر نہیں کرتی۔ اس نے سوچ لیا تھا‘ اسی طرح حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے کلپنا کے معاملات سے لاتعلق ہوتا چلا جائے گا تو تمام تر افواہیں دم توڑ دیں گی۔

اس نے انڈیا کے تاریخی اور اہم مقامات پر جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ آگرہ جا کر تاج محل کی شان و شوکت بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر ماں نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ کہیں جائے یا نہ جائے‘ خواجہ صاحب کے دربار پر حاضری دینے ضرور جائے۔ اس نے سوچا تھا‘ تین دنوں تک میچ انجوائے کرنے کے بعد آرام سے انڈیا گھومے گا۔ مگر اب حالات سمجھا رہے تھے کہ سیریز ختم ہوتے ہی وہاں سے کوچ کر جانا بہتر ہوگا اور وہ یہی کرنے والا تھا۔

مگر فی الحال میچ شروع ہونے تک وہ ہوٹل کے کمرے میں قیدی بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے سوچا تھا‘ لنچ کے بعد کہیں باہر نکلے گا۔ اس نے ٹی وی آن کیا۔ کلپنا کی پریس کانفرنس سننے کی بے چینی تھی۔ تقریباً آدھ گھنٹے بعد وہ ایک نیوز چینل پر دکھائی دی۔ کل رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے محبوب خان کے بارے میں بہت کچھ بول رہی تھی۔ یہ واضح کر رہی تھی کہ اس محسن کے بارے میں غلط افواہیں پھیلا کر لوگوں کا دھیان بانٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ایسا یقیناً اس کا دشمن ہی کر رہا ہوگا۔

ایک صحافی نے سوال اٹھایا۔ ”سب یہی جاننا چاہتے ہیں کہ وہ دشمن کون ہوسکتا ہے جس نے آپ کی جان لینا چاہی؟“

وہ بولی۔ ”اس سوال کا جواب صرف ایک نام ہے۔

لیکن میں وہ نام ابھی نہیں لوں گی۔"

"کیا آپ دشمن کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں؟"

"ہرگز نہیں... مگر اس نام کو زبان پر لانے سے پہلے آپ سے اور اپنے دیش کی پولیس سے پوچھنا چاہتی ہوں... یہ سند لینا چاہتی ہوں کہ کیا میرے دشمن کے بارے میں جانتے ہی آپ لوگ اسے گرفتار کر سکیں گے؟ گرفتاری نہ سہی اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی کر سکیں گے؟"

"شرپسند عناصر کو ان کے بُرے انجام تک پہنچانا پولیس کا کام ہے۔ اس سلسلے میں میڈیا بھی تعاون کرے گا۔ دشمن کوئی بھی ہو اس کے خلاف ایکشن ضرور لیا جائے گا۔ آپ ہمارے دیش کا قیمتی سرمایہ ہیں آپ کی حفاظت ہر حال میں ضروری ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اور میرا دشمن اس دیش کے لیے مجھ سے بھی زیادہ ضروری ہے۔"

"مگر ہے تو شرپسند... اسے سزا ضرور ملے گی۔ آپ نام بتائیں؟"

"سوچ لیں! آپ کے یہ وعدے یہ دعوے ساری جنتا سن بھی رہی ہے اور دیکھ بھی رہی ہے۔"

اس نے جیسے حاضرین کے تجسس کو بھڑکا دیا تھا۔ گھروں میں بیٹھ کر دیکھنے والے ناظرین بھی اس دشمن کا نام سننے کے لیے بے چین ہو گئے تھے۔ محبوب خان بھی متجسس تھا۔

کلپنا چند لمحوں تک خاموش رہی۔ پھر بڑی ہی نفرت سے بولی۔ "میرے اس دشمن کا نام ایس کے پچارا ہے۔"

اس نے نام نہیں لیا تھا جیسے دھماکا کیا تھا۔ حاضرین ایک دم سے ٹھٹک کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اُدھر ایس کے پچارا اچھل کر رہ گیا۔ غصے سے ریموٹ کنٹرول کو ایک طرف پھینکتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑایا۔ "اس کتیا کی ہمت تو دیکھو... کھلے عام میرا نام لے رہی ہے۔ لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتی ہے۔"

ادھر ایک صحافی نے کہا۔ "مسٹر ایس کے پچارا کا نام بہت بڑا ہے۔ وہ ہمارے دیش کی معزز شخصیت ہیں۔ اس ملک کی بزنس کمیونٹی میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔ مشہور و معروف سیاستدان بھی ہیں۔ وہ آپ کی جان کیوں لینا چاہیں گے؟"

"بڑے نام ہی بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ میں نے کہا تھا نا، میرا دشمن اس دیش کے لیے مجھ سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے۔"

ایک اور صحافی نے سوال اٹھایا۔ "کوئی بھی شخص ثبوت کے بغیر کسی دوسرے پر الزام نہیں لگا سکتا۔ آپ کے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کا کیا ثبوت ہے؟"

وہ بولی۔ "ثبوت تو اس بات کا بھی کوئی نہیں تھا کہ وہ پاکستانی نوجوان میرا مہمان ہے۔ مگر دوسری صبح اخبارات نے بے بنیاد خبریں شائع کرتے ہوئے اسے نہ صرف میرا مہمان بنا دیا بلکہ اسے میرا خفیہ باڈی گارڈ بھی کہا گیا۔ میں چونکہ کرکٹ کی دلدادہ ہوں اور وہ انڈر نائنٹین کا کھلاڑی ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے بھی اسکینڈل بنایا گیا۔ کیا آپ لوگوں نے یہ تمام خبریں شائع کرنے سے پہلے کوئی ثبوت حاصل کیا تھا؟ یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ حقیقت کیا ہے؟"

"حقیقت جاننے کے لیے ہم آپ کے دروازے پر گئے تھے۔ مگر آپ نے ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔"

وہ بولی۔ "انکار کر دیا تھا' اس لیے جو جی میں آیا وہ چھاپ دیا؟ پہلے میں خاموشی سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی' سوچ سمجھ رہی تھی کہ مجھے اپنے دشمن کے سلسلے میں کیا کرنا ہے؟ اب میں نہ صرف ایس کے پچارا کے خلاف بلکہ نیوز پرنٹ میڈیا کی ان نامور شخصیات کے خلاف بھی قانونی کارروائی کروں گی جنہوں نے میرے بارے میں ایسی بے بنیاد خبریں شائع کی ہیں۔"

وہاں کی ایک نامی گرامی نیوز ایجنسی کے ایجنٹ نے کہا۔ "خبریں بالکل ہی بے بنیاد نہیں ہیں۔ بے شک' محبوب خان آپ کا مہمان نہیں تھا۔ مگر تب تک' جب تک آپ اسے اپنا محسن مان کر اپنے گھر نہیں لے گئی تھیں۔ کم از کم اتنی خبر تو جھوٹ نہیں ہے کہ کل رات اس نے آپ کے گھر میں گزاری اور پھر آج صبح آپ نے خود اسے ایک ہوٹل میں پہنچایا۔"

"یہ سو فیصد درست خبر ہے۔ مگر جس طرح جنتا کے سامنے پیش کی جا رہی ہے' وہ طریقہ اور انداز سراسر غلط ہے۔"

ایک اور صحافی نے کہا۔ "فی الوقت اس پاکستانی نوجوان کے معاملے کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ مسٹر ایس کے پچارا کا نام کس بنیاد پر لے رہی ہیں؟ کوئی ٹھوس ثبوت آپ کے پاس ہے؟"

"ثبوت بھی بہت جلد پیش کروں گی۔"

ایک اور نے کہا۔ "اگلے ماہ الیکشن ہونے والے ہیں۔ آپ کے فادر مسٹر رمیش مکرجی پردیس میں بیٹھ کر یہاں اپنی پارٹی کو سپورٹ کرتے ہیں۔ اس بار بھی وہ الیکشن لڑ رہے ہیں اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ مسٹر ایس کے پچارا اپوزیشن

میں ہیں۔ سیاست کے میدان میں سب ہی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔ کہیں الیکشن کے دور میں آپ کا یہ بیان سیاسی دشمنی کا شاخسانہ تو نہیں ہے؟"

وہ بولی۔ "میں جانتی تھی' ایس کے پچارا کا نام سنتے ہی ایسا ردِعمل سامنے آئے گا اسی لیے خاموش تھی۔ کوئی بھی بیان دینے سے کترا رہی تھی مگر حقیقت یہی ہے کہ کل رات مجھ پر جان لیوا حملہ ایس کے پچارا نے ہی کرایا ہے۔"

ایک صحافی نے کہا۔ "میڈم! کیا آپ اس دشمنی کا بیک گراؤنڈ واضح کرنا چاہیں گی؟"

دوسرے نے کہا۔ "شک ایک الگ بات ہے مگر آپ تو پورے یقین سے ایس کے پچارا کا نام لے رہی ہیں۔ پلیز! اس یقین کی وجوہات کو کھل کر بیان کریں۔"

صحافیوں کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ وہ جوابات دیتے ہوئے انہیں بتانے لگی کہ ایس کے پچارا نے دشمنی کی شروعات کب اور کن حالات میں کی؟

دوسری طرف ایس کے پچارا غصے سے سلگ رہا تھا۔ ایسے وقت موبائل فون نے اسے پکارا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ اس نے ٹی وی کا والیم بند کرتے ہوئے فون کو کان سے لگایا۔ "ہیلو... ایس کے پچارا بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "میرا خیال ہے' مجھے نام بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آواز سے پہچان رہے ہو گے؟"

وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں دشمنوں کے لب و لہجے کو خوب یاد رکھتا ہوں مسٹر رمیش مکرجی...!"

"ہم دشمن نہیں تھے' ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ دشمنی کی ابتدا تم نے کی ہے۔"

"اور انتہا بھی میں ہی کروں گا۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔ کسی بھی فلم کا کلائمیکس ایک ولن اپنی موت سے یا پھر اپنے بُرے انجام سے ہی کرتا ہے۔"

وہ اسکرین پر کلپنا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تو وقت بتائے گا کہ کون ہیرو ہے اور کون زیرو ہے؟ فی الحال تمہاری کم ظرفی دیکھ رہا ہوں' بیٹی کو مہرہ بنا کر چال چل رہے ہو۔"

"یہ نہ دیکھو' کیسی چال چل رہا ہوں... یہ دیکھو، کس وقت چل رہا ہوں؟ اور یہ بھی سمجھو کہ اتنا شاندار موقع تم نے خود ہی مجھے دیا ہے۔ الیکشن کے سیزن میں پھونک پھونک کر قدم رکھے جاتے ہیں۔ یہ تمہاری بدبختی ہے کہ میری بیٹی سے دشمنی کرنے کے لیے تمہیں یہی وقت ملا تھا۔"

"نشانہ ایک بار ہی خطا ہوتا ہے۔ میری عارضی ناکامی

کو اپنی کامیابی سمجھنے کی بھول نہ کرنا۔ تمہاری بیٹی کی قسمت اچھی تھی لیکن ہمیشہ اچھی نہیں رہے گی۔ وہ سنا تو ہوگا کہ سو دن چور کے اور ایک دن شاہ کا...''

وہ ایک ذرا ہنس کر بولا۔ ''کیا تم سمجھ رہے ہو' تم سے جو خطا ہو چکی ہے' وہ تمہاری کامیاب زندگی کے خطوط بگاڑ سکتی ہے؟''

''میں اتنا کمزور نہیں ہوں کہ کسی کے بگاڑنے سے بگڑ جاؤں گا۔ کمزور اور بزدل تو تم ہو۔ پردیسیوں کی گود میں بیٹھ کر یہاں سیاسی گیم چلتے ہو۔ یہاں تمہارے مہرے ہیں اور وہاں تم کسی اور کے مہرے بنے ہوئے ہو۔ اس دیش کی سیاست میں گھس کر غیروں کو فائدہ پہنچا رہے ہو۔ ان کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہو۔''

''تم میرے خلاف اکثر ایسے بیانات دیتے رہتے ہو اور میں پھر سمجھاتا ہوں کہ یہ دنیا ایک گورکھ دھندا ہے۔ جہاں اپنا فائدہ نظر آتا ہے' وہاں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔ یقین نہ آئے تو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو' تمہاری سیاسی ہی نہیں' کاروباری کامیابی کے پیچھے بھی یہودیوں کے ناموں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ یہ وہ نام ہیں جو ہماری جڑوں میں ہم سے بھی زیادہ گہرائی تک اتر جانا چاہتے ہیں اور تم انہیں شہ دیتے ہو۔ یوں دیکھا جائے تو ہم دونوں ہی اپنے دیش کے لٹیرے ہیں۔ بس لوٹنے کا ڈھنگ الگ الگ ہے۔''

''کیا یہی بکواس کرنے کے لیے فون کیا ہے؟''

''نہیں۔ یہ بتانے کے لیے تمہیں یاد کیا ہے کہ میری بیٹی کا بیان بدل بھی سکتا ہے۔ ابھی وہ دشمن کے طور پر تمہارا نام لے رہی ہے۔ آئندہ اسی بیان کی اصلاح کرتے ہوئے اپنے دشمن کا نام بدل دے گی۔ لوگوں کو بتائے گی کہ تمہارے بارے میں اس کی رائے غلط تھی۔ تم نے اس سے دشمنی نہیں کی ہے۔''

''اوہ تو یوں بولو نا کہ سودا کرنا چاہتے ہو۔''

''اگر بدنامی سے اور قاتل کہلائے جانے سے بچنا چاہتے ہو تو مجھ سے سودا کرنا پڑے گا۔''

ایس کے پچارا نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔ ''اچھا تو بیان بدلنے کی قیمت کیا ہوگی؟''

''اپوزیشن میں نہ بیٹھو۔''

''فار یور کائنڈ انفارمیشن مسٹر مکر جی! کسی بھی الزام کو ثابت کرنے کے لیے ثبوت اور گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہاری بیٹی مجھ پر الزام تو لگا سکتی ہے مگر اسے ثابت نہیں کر سکتی۔ میں تم باپ بیٹی کی گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔''

''تم نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ ثبوت اور گواہ کہاں سے پیدا ہو جاتے ہیں' یہ پہلے پتا نہیں چلتا۔ اچانک ہی گواہوں کے دھماکے ہوتے ہیں۔ شواہد کے انبار لگ جاتے ہیں۔''

''میں تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ تم اپنی بیٹی کے ساتھ مل کر میرے خلاف پروپیگنڈا کرو۔ میں اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہوں۔''

اس نے بٹن دبا کر رابطہ منقطع کر دیا۔ فون کو ایک طرف پھینک کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کلپنا کی پریس کانفرنس ختم ہو چکی تھی۔ ایک نیوز ریڈر کلپنا' ایس کے پچارا اور رمیش مکر جی کے بارے میں بہت کچھ بتا رہی تھی۔ پچارا اور مکر جی کا سیاسی بیک گراؤنڈ پیش کیا جا رہا تھا۔ کلپنا کے ساتھ ہونے والے حادثے کو اب سیاسی رنگ میں ڈھالا جا رہا تھا۔

اس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ محبوب خان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق' کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اسے اس معاملے سے دور رکھا جائے مگر اس کے باوجود کلپنا کے ساتھ اس کا نام آ رہا تھا۔ اگرچہ ان کے تعلق کی گونج ابھی دبی دبی سی تھی۔ مگر دبی ہوئی چنگاری ہی کبھی کبھی بڑے دھماکوں کا سبب بنتی ہے۔

☆☆☆

صبح کا اجالا پوری آب و تاب کے ساتھ پھیل چکا تھا۔ دیارِ غیر میں رہو تو وہاں کے صبح و شام بھی اجنبی اجنبی سے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہی سورج ہوتا ہے' وہی چاند ہوتا ہے' وہی ستارے ہوتے ہیں مگر پرائے پرائے سے لگتے ہیں۔

اس نے ایک ذرا آنکھیں کھول کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ پھر وال کلاک میں وقت دیکھ کر کروٹ بدل لی۔ صبح کے دس بجے تھے۔ وہ ابھی اور سونا چاہتا تھا مگر فون کی کالنگ ٹون نے نیند کا خمار ہوا کر دیا۔ اس نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ ننھی سی جلتی بجھتی اسکرین پر کلپنا کا نام چھب دکھا رہا تھا۔ اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ ''ہیلو...!''

اس کی چہکتی... دل میں اترتی ہوئی سی شکایت سنائی دی۔ ''یہ کیا؟ اتنا اجنبی سا ہیلو...؟ اس کا مطلب ہے' آپ نے میرا نمبر سیو نہیں کیا ہے۔''

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کا نمبر میرے پاس سیو ہے۔''

''جو چیز سیو ہوا سے یوز بھی کیا جاتا ہے۔''

''سوری۔ میں کل آپ سے رابطہ نہ کر سکا۔''

وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''سوری نہ بولیں۔ میں شکایت نہیں کر رہی ہوں' یونہی مذاق کر رہی تھی۔''

''میں نے کل آپ کی پریس کانفرنس سنی تھی۔''

اس نے شوخی سے پوچھا۔ ''اچھا؟ صرف سنی تھی' دیکھی نہیں تھی؟''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''ہاں۔ میرا مطلب ہے' دیکھی بھی تھی۔ آپ نے جیسا گرما گرم بیان دیا ہے' اس کے بعد میں سمجھتا ہوں' آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔''

''کس حوالے سے...؟''

''اپنے دشمن کے حوالے سے' میرے حوالے سے۔ دراصل میں آپ سے فاصلہ رکھ کر تمام افواہوں کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔''

''دشمن' دشمنی کرتا ہے اور دوست' دوستی نبھاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دشمن تو دشمنی کرے گا' اس سے باز نہیں آئے گا۔ لیکن آپ پیچھے ہٹ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری دوستی سے زیادہ مستحکم اس کی دشمنی ہے جسے وہ ہر حال میں جاری رکھ سکتا ہے۔ مگر ہم اپنی دوستی کو دیرپا نہیں بنا سکتے۔''

''بات صرف دوستی کی نہیں ہے۔ نیک نامی اور بدنامی کی ہے۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میرے حوالے سے کوئی آپ پر کیچڑ اچھالے۔''

''کنول تو کیچڑ میں ہی کھلتے ہیں۔''

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا۔ ''ہمارا تعلق' ہماری جان پہچان کنول کا پھول نہیں ہے۔ لیکن ہاں' لوگ اسے ببول کا کانٹا ضرور بنا دیں گے۔''

''پھول توڑتے ہوئے کانٹے تو چبھتے ہی ہیں۔ میں لوگوں کے خوف سے دوستی کے ایسے انمول پھول کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ اس کی خوشبو سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔''

وہ پھر چپ رہا۔ کیا جواب دیتا؟ وہ سوال نہیں کر رہی تھی' بول رہی تھی۔ مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے پوچھ رہی ہو۔ ''کیا تم اس پھول کو چھوڑ سکتے ہو؟''

محبوب کے دل سے جواب آیا۔ ''نہیں۔''

''جب تک سانس رہتی ہے' تب تک آس رہتی ہے۔ اس نئے نویلے رشتے کی خوشبو تمہارے آس پاس پھیل رہی ہے۔ کیا تم جیتے جی سانس روک کر اسے محسوس کرنے اور سونگھنے سے انکار کر سکتے ہو؟''

جواب آیا۔ ''نہیں۔ میں منکر نہیں بننا چاہتا۔''

''تو پھر اقرار کرو۔''

''ہمارے اقرار سے یہ دنیا بے قرار ہو جائے گی۔ میرے نام سے تمہیں بدنام کرے گی۔''

''بدنام نہ ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا...؟ مجنوں کے نام سے لیلیٰ کا نام ہے۔ رانجھا کے نام سے ہیر کا نام ہے۔ پنوں کے نام سے سسی کا نام ہے۔ میں بھی نام کمانا چاہتی ہوں۔ سورج سے چاند کو روشنی ملتی ہے۔ میں روشن ہونا چاہتی ہوں۔''

وہ چند لمحوں تک فون پر خاموش رہے۔ مگر خاموشی کی زبان سے بولتے رہے' ایک دوسرے کو نہ سنتے ہوئے بھی سنتے رہے۔ پھر محبوب خان نے کہا۔ ''یہ سچ ہے' میں آپ کے ملک اور آپ کے شہر میں رہتے ہوئے آپ جیسی ہستی سے لاتعلقی نہیں برت سکوں گا۔''

''تو پھر فاصلوں کی بات نہ کریں۔''

''مگر ملنے جلنے کے معاملے میں ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔''

''یعنی...؟''

''یعنی یہی کہ کسی کی نظروں میں نہ آئیں۔ اسکینڈل اچھالنے والوں کو موقع نہ دیں۔''

''یعنی پردے میں رہ کر ملاقات کیا کریں؟ برقع وغیرہ پہن کر...؟''

وہ اپنی ہی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بات ایسی تھی کہ وہ بھی ہنس پڑا۔ وہ بولی۔ ''آپ کے وہاں پردے کا رواج ہے نا؟ مجھے بھی باپردہ بنا دیں۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا' زیرِ لب مسکرانے لگا۔ اس نے کہا۔ ''اینی وے۔ ابھی تو میں آپ کی نیند خراب کر چکی ہوں۔ اب بولیں... کیا کرنا ہے؟''

''کیا مطلب کیا کرنا ہے؟''

''مطلب یہ کہ آج کی مصروفیت کیا ہے؟ کہیں جانا ہے؟''

''دیارِ غیر میں مصروفیت کیا ہو سکتی ہے؟ ابھی سو کر اٹھا ہوں۔ فریش ہو کر ناشتا کروں گا۔ پھر سوچوں گا' کہاں جانا چاہیے۔''

''مگر مجھے جہاں آنا تھا' میں وہاں پہنچ چکی ہوں۔''

اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتا' دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے بستر سے اترتے ہوئے فون پر کہا۔ ''ہولڈ آن... کوئی آیا ہے۔''

وہ دھیرے سے بولی۔ ''ذرا دیکھیے تو کون آیا ہے؟''

اس نے دروازے کے قریب آ کر اسے کھولا تو حیران

رہ گیا۔ وہ فون کان سے لگائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی حیرانی دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ وہی دل ربا انداز تھا۔

وہ بے یقینی سے بولا۔ ''آپ یہاں...؟''

وہ فون کا بٹن دبا کر کال ڈراپ کرتے ہوئے بولی۔ ''بن بلائے مہمان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اچانک ہی آ دھمکتے ہیں۔ ویسے اپنے فون کو کان سے ہٹا لیں۔ اب میں وہاں نہیں' یہاں ہوں۔ آپ کے سامنے...''

وہ ٹھٹک کر فون والا ہاتھ نیچے کرتے ہوئے بولا۔ ''اوہ... اصل میں... آپ نے واقعی مجھے حیران کر دیا ہے۔''

اس نے مسکرا کر کہا۔ ''میں نے تو سرپرائز دیا ہے۔ اب کیا سزا کے طور پر یہیں کھڑے رہنا ہوگا؟''

وہ فوراً ہی ایک طرف ہٹتے ہوئے بولا۔ ''ارے نہیں۔ آئیں، اندر آئیں۔''

وہ کمرے کا جائزہ لیتی ہوئی اندر آ گئی۔ محبوب خان نے دروازے کو پوری طرح بند نہیں کیا۔ اسے ادھ کھلا چھوڑ کر اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ ''آنے سے پہلے بتا دیتیں تو...''

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ''تو آپ مجھے منع کر دیتے۔''

اس نے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ میں منع تو نہیں کرتا۔''

وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ انگلیوں سے بال درست کرتا ہوا اس کے سامنے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ کلپنا نے کہا۔ ''آپ فریش ہو جائیں۔ میں انتظار کر لوں گی۔''

''ہاں۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ پہلے یہ بتائیں' آپ کے لیے کیا منگواؤں؟ چائے' کافی یا ٹھنڈا...؟''

''میں نے ناشتا نہیں کیا ہے۔ اسی لیے بول رہی ہوں' آپ فریش ہونے جائیں پھر ایک ساتھ ناشتا کریں گے۔''

ایسے ہی وقت ادھ کھلا دروازہ پوری طرح کھل گیا۔ انہوں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ایک آدمی کیمرا لیے مووی بناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے دو اور افراد تھے۔ ایک کے ہاتھ میں مائک تھا اور دوسرا کچھ کاغذات لیے ہوئے تھا۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی نیوز چینل کی ایک چھوٹی سی ٹیم ہے۔

محبوب خان اور کلپنا اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ محبوب نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

مائک والے نے ایک نیوز چینل کا نام بتاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ پھر کہا۔ ''ہم لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے خبریں اکٹھا کر رہے ہیں۔''

''مگر یہ کیا طریقہ ہے؟ آپ کو اجازت لے کر اندر آنا چاہیے تھا۔''

کیمرا مین اپنے کیمرے کو کبھی کلپنا کی طرف' کبھی محبوب خان کی طرف اور کبھی کمرے کے مختلف حصوں کی طرف گھما کر ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ کلپنا نے کیمرے پر ایک ہاتھ مارا۔ اگر کیمرا مین فوراً ہی اسے نہ سنبھالتا تو وہ زمین پر گر پڑتا۔ وہ غصے سے بولی۔ ''پہلے اسے بند کرو پھر بات کرو۔''

مائک والے نے کہا۔ ''میڈم! آپ غصہ نہ کریں۔ ہم ابھی اسے آف کر دیں گے۔''

وہ بولی۔ ''کر دیں گے نہیں... ابھی کرو۔''

مائک والے نے کیمرا مین کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اسے آپریٹ کرنے لگا پھر بولا۔ ''یہ لیں۔ آف ہو گیا۔''

کیمرے کا رخ اب بھی کلپنا کی طرف تھا۔ وہ اسے چھینتے ہوئے بولی۔ ''مجھے بیوقوف بنا رہے ہو؟ کیا چاہتے ہو' اسے زمین پر پٹخ کر توڑ ڈالوں؟''

وہ کیمرے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ایسا ظلم نہ کریں میڈم! یہ ہماری روٹی روزی ہے۔''

وہ اسے چیک کر رہی تھی۔ پھر یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اسے آف کیا جا چکا ہے۔ مائک والا محبوب خان سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ کلپنا نے کیمرا اس آدمی کو تھما کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''جس کھلے ہوئے دروازے سے اندر آئے تھے' اسی دروازے سے باہر چلے جاؤ۔''

پھر مائک مین کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''گیٹ آؤٹ!''

''پر میڈم! میری بات تو سنیں۔''

''میں کچھ کہنا سننا نہیں چاہتی۔ چلو نکلو یہاں سے...''

اس نے بازو سے پکڑ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے اس کے دونوں ساتھیوں کو گھورا۔ ''منہ کیا تک رہے ہو؟ نکلو باہر...''

مائک مین انٹرویو کی التجا کرتا ہوا اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر آ گیا۔ کلپنا نے دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کر کے لاک کر دیا۔ محبوب خان بڑی خاموشی سے اور گہری سنجیدگی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ محبوب نے اسے دیکھا۔ پھر

دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ کو یقین ہے' وہ چلے گئے ہوں گے؟''

''یہ پریس والے بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ نہ باتوں سے مانتے ہیں' نہ لاتوں سے مانتے ہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس آئی۔ ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرتے ہوئے بولی۔ ''میں ہوٹل کی انتظامیہ سے بات کرتی ہوں۔''

محبوب خان پریشان ہو گیا تھا' سوچ میں پڑ گیا۔ ادھر وہ انتظامیہ کو باتیں سنا رہی تھی۔ ہوٹل منیجر نے معذرت کرتے ہوئے یقین دہانی کرائی تھی کہ پریس میڈیا والے وہاں سے جا چکے ہیں۔ اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کر دیا۔ محبوب خان کچھ سوچ کر دروازے کے پاس آیا۔ پھر اسے ایک جھٹکے سے پوری طرح کھول دیا۔ باہر کوریڈور ویران تھا۔ کلپنا نے کہا۔ ''وہ لوگ جا چکے ہیں۔''

اس نے دروازے کو اسی طرح کھلا چھوڑ کر پلٹتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ کسی مشہور چینل کے نمائندے تھے؟''

''الیکٹرونک میڈیا پر نیوز چینل کی بھرمار ہوتی جا رہی ہے۔ جس کے پاس چار پیسے آتے ہیں' وہ چینل لانچ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اسے چلانے کے لیے الٹے سیدھے طریقوں سے الٹی سیدھی خبریں سمیٹتا پھرتا ہے۔ نان سینس... یہ بھی ایک ایسے ہی گھٹیا چینل کے نمائندے تھے۔''

پھر وہ اس کی صورت دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آپ جا کر فریش ہو جائیں۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر جھجکتے ہوئے کہا۔ ''مائنڈ نہ کریں تو ایک بات کہوں؟''

''ہاں... بولیں؟''

''یہ ابھی جو کچھ ہوا' کیا اس کے بعد ہمارا ایک ساتھ رہنا مناسب ہے؟''

''دل میں چور نہ ہو تو دنیا کا ڈر نہیں ہوتا۔ پریس والے جو کچھ کر رہے ہیں' جھوٹ کی بنیاد پر کر رہے ہیں اور جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ یہ زیادہ دور تک نہیں جاتا۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''سوچ رہا ہوں، جھوٹ آخر کو دم توڑ جاتا ہے۔ لیکن جاتے جاتے اپنے پیچھے بہت سے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ آپ سمجھ نہیں رہی ہیں یا پھر جانتے بوجھتے انجان بن رہی ہیں۔ اس وقت آپ کا دشمن آپ کے فادر کو سیاست میں اور آپ کو

آپ کے پروفیشن میں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اب جبکہ عوام کے سامنے آپ اس کا نام لے چکی ہیں تو ذرا سوچیں' کیا وہ اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے آپ پر دوبارہ پلٹ کر حملے نہیں کرے گا؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''کم از کم ابھی نہیں کرے گا کیونکہ ابھی مجھے ایک ذرا بھی نقصان پہنچے گا تو سارا کا سارا الزام اسی کے سر آئے گا اور وہ اتنا بیوقوف نہیں ہے۔''

''حملے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ پھر آپ کو ٹارگٹ بنا کر شوٹ کروائے گا۔ دشمنی کے اور بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو میں سمجھتا ہوں' آپ نے یوں سرِعام اس کا نام لے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ کیا ایسا بیان دینے سے پہلے آپ نے اپنے فادر سے مشورہ کیا تھا؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''دراصل ان کے کہنے پر ہی میں نے پریس کانفرنس کی تھی۔ ایس کے پجارا کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے ہم سے دشمنی کی انتہا کر کے صرف کاروباری اعتبار سے ہی نہیں' سیاسی اعتبار سے بھی خود کو نقصان میں ڈال دیا ہے۔''

محبوب کو اس کی باتیں سن کر ذرا تعجب ہوا۔ وہ بولی۔ ''میرے ڈیڈ سب سنبھال لیں گے۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟''

''مجھے آپ کے معاملات میں اتنا بولنا تو نہیں چاہیے پھر بھی یہ مشورہ دینا چاہوں گا کہ اس دشمن کی دشمنی اپنی جگہ... مگر آپ کم سے کم پریس والوں کو اپنا مخالف نہ بنائیں۔''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر... مگر ابھی اس سر کا کیا کروں' جو بھوک کے مارے دکھنے لگا ہے؟''

اس نے کلپنا کو ایسے دیکھا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن ہچکچا رہا ہو۔ وہ بولی۔ ''ڈرنا منع ہے... میں کسی کے ڈر سے ایک اچھے شخص کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتی۔ آپ میرے لیے اچھے ہیں اور اچھے انسان بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ لہٰذا اب آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔''

وہ ضدی تھی' اپنی ضد پوری کروا کر ہی دم لیتی تھی۔ اس کے لیے چاہے کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ محبوب خان کو دوسری ملاقات میں اس کا مزاج تھوڑا اور سمجھ میں آ رہا تھا۔ ویسے محبوب کے اندر بھی چور تھا۔ اس کے ہونٹوں پر نہ تھی لیکن دل میں ہاں تھی۔

نفرت کا جواب نفرت سے دینا لازمی نہیں ہوتا۔ لیکن

محبت کا جواب محبت سے دیا جاتا ہے۔ وہ محبت سے اس کی طرف آرہی تھی کون کافر تھا جو منہ پھیرتا؟

وہ بولا۔ ''ٹھیک ہے میں اعتراض نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کو بھی میری ایک بات ماننی ہوگی۔''

''وہ کیا؟''

''بُرا نہ مانیں... مگر آپ نیچے ریسٹورنٹ میں جا کر میرا انتظار کریں۔ مجھے صرف دس منٹ لگیں گے۔''

وہ مسکرانے لگی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''اچھی بات ہے۔ لیکن میں ریسٹورنٹ میں نہیں' وزیٹرز لابی میں رہوں گی۔''

''کیوں؟ ناشتا نہیں کریں گی؟''

''ناشتا تو کرنا ہے اور آپ کے ساتھ ہی کرنا ہے مگر یہاں نہیں۔''

''تو پھر کہاں؟''

وہ جاتے ہوئے بولی۔ ''جہاں دانہ پانی لے جائے۔ آجائیں، میں انتظار کررہی ہوں۔''

وہ باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ چند لمحوں تک ادھر دیکھتا رہا۔ پھر دروازے کو لاک کرکے واش روم میں چلا گیا۔ دیکھا جائے تو تھوڑی دیر پہلے ایک زبردست شاک لگا تھا۔ پریس میڈیا کی طرف سے اچانک ہی حملہ ہوا تھا۔ فی الحال کلپنا کو کوئی رِسک نہیں لینا چاہیے تھا۔ احتیاط برتنی چاہیے تھی۔

مگر وہ ضد کی پکّی تھی اور محبوب خان کچھ الجھا ہوا تھا۔ اگرچہ ہر بار اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیتا تھا۔ لیکن یہ حقیقت بھی سمجھ میں آتی تھی کہ پرائے دیس میں اپنے لیے مسائل پیدا کررہا ہے۔ وہ یہی سوچتا تھا کہ اگلی بار کلپنا کو سمجھائے گا' اسے خود سے دور رکھے گا۔ لیکن فاصلے تھے کہ بڑھنے کے بجائے سمٹتے چلے جارہے تھے۔ وہ گریز کرنا چاہتا تھا اور وہ ناگزیر ہوتی جارہی تھی۔

☆☆☆

اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا ہے۔ کلپنا نے اینٹ ماری تھی' ایس کے پجارا جواباً پتھر مارنا جانتا تھا۔ دوسرے روز مختلف چینلز پر اس کی جوابی پریس کانفرنس کی گونج سنائی دی۔ کلپنا نے جو الزامات لگائے تھے' وہ ان کی تردید کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''رمیش مکرجی میرا دشمن نہیں ہے۔ لیکن سیاست کے میدان میں ہم ایک دوسرے کے مخالف ضرور ہیں۔ یہ حقیقت پوری دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ دو سیاستدانوں کے درمیان ہمیشہ سیاسی جنگ جاری رہتی ہے جس کے نتیجے میں سیاسی عداوتیں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یقیناً میرے اور مکرجی کے درمیان بھی ایسی سیاسی کشیدگی قائم رہتی ہے۔

''کلپنا میرے مخالف کی بیٹی ہے۔ اب آپ لوگ مجھے بتائیں' جب میری اور مکرجی کی بنتی ہی نہیں تو میں اس کی بیٹی کو اپنی کسی اشتہاری فلم کی آفر کیوں کروں گا؟''

ایک صحافی نے پوچھا۔ ''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے کلپنا جی کو اپنی پروڈکٹ کے لیے ماڈلنگ کی آفر نہیں کی تھی؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ پورا دیش جانتا ہے' کلپنا کو میں نے کبھی اپنی کسی بھی پروڈکٹ کے لیے ماڈل کے طور پر پیش نہیں کیا۔ اور جو کام پہلے کبھی نہیں کیا' وہ اب کیوں کروں گا؟''

وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ ''نہ میں نے اسے کوئی آفر کی' نہ اس نے رَد کی' نہ ہمارے درمیان اس سلسلے میں کوئی کشیدگی پیدا ہوئی۔ مگر ایک رات پہلے کلپنا کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس معاملے کو میرے سر تھوپنے کے لیے وہ باپ بیٹی یہ الٹا ہتھکنڈا استعمال کررہے ہیں۔ جو کہ بالکل ہی بے بنیاد ہے اور اگر اس میں ایک ذرا بھی سچائی ہے تو وہ ثابت کریں کیونکہ میں کسی ثبوت کے بغیر اپنی ذات پر کوئی الزام برداشت نہیں کروں گا بلکہ ہتک عزت کا دعویٰ کروں گا۔ وہ الیکشن کے دنوں میں ایسی اوچھی حرکتیں کرکے' مجھے الجھا کر میرا قیمتی وقت برباد کرنا چاہتے ہیں۔''

ایک صحافی نے کہا۔ ''ذرا اس بات پر روشنی ڈالیں کہ رمیش مکرجی سیاسی جنگ میں اپنی بیٹی یعنی کلپنا جی کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟ آپ پر الزام لگانے کے لیے ان کا شانہ کیوں استعمال کررہے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''اس دنیا میں عورتوں کے شانے استعمال کرکے اپنے مقاصد حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ رمیش چونکہ اس دیش میں نہیں رہتا' غیروں کی گود میں بیٹھ کر سیاسی چالیں چلتا ہے۔ لہٰذا اس بار وہ ہماری معصوم جنتا کو اپنا حمایتی بنانے اور میرے خلاف اکسانے کے لیے اپنی بیٹی کو مہرہ بنارہا ہے۔ وہ یہاں کی سپر ماڈل ہے' لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے اور رمیش ان دلوں کو اپنی مٹھی میں لے کر اپنے سیاسی کیریئر کی سانسیں بحال کرنا چاہتا ہے۔ اپنا ووٹ بینک بڑھانا چاہتا ہے۔''

وہ ذرا دیر کے لیے چپ ہوا۔ پھر جوشیلے انداز میں بولا۔ ''رمیش جیسے لوگ ہی آج کے راون ہیں جو شری رام کو

پھانسنے کے لیے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کا استعمال کرتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کرتوتوں سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ راون ابھی تک مرا نہیں ہے' زندہ ہے اور جب راون زندہ ہے تو...''

اس نے سینہ ٹھونکتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔ ''تو رام بھی زندہ ہے۔''

ایسے وقت ایک صحافی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس کے ڈیسک کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''سب ہی لوگ آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہیں۔ میں ایک آئینہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں' ذرا اس میں جھانک کر تو دیکھیں...''

اس نے قریب آکر ایک منی ٹیپ ریکارڈر اس کے مائک کے پاس رکھ دیا۔ ایس کے پجارا نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''آپ کے سوال کا جواب یہ خود اپنی زبان سے دے گا۔''

اس نے ایک بٹن دبا کر اسے آن کردیا۔ ایس کے پجارا کبھی اس ریکارڈر کو اور کبھی اس صحافی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے اپنی ہی آواز سنائی دی۔ مائک کے ذریعے وہ آواز سب ہی سننے لگے۔ لائیو پریس کانفرنس تھی' لہٰذا گھر بیٹھے ناظرین بھی سن رہے تھے۔

وہ فون پر کسی سے بول رہا تھا۔ ''ہیلو۔ ایس کے پجارا بول رہا ہوں۔''

دوسرا لہجہ سنائی دیا۔ ''میرا خیال ہے' مجھے نام بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی' آواز سے پہچان رہے ہوگے؟''

ایس کے پجارا کی آواز سنائی دی۔ ''میں دشمنوں کے لب و لہجے کو خوب یاد رکھتا ہوں مسٹر رمیش مکرجی...!''

رمیش کی آواز سنائی دی۔ ''ہم دشمن نہیں تھے' ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ دشمنی کی ابتدا تم نے کی ہے۔''

پجارا کی آواز سنائی دی۔ ''اور انتہا بھی میں ہی کروں گا۔''

ایس کے پجارا نے فوراً ہی بٹن دبا کر ریکارڈر کو بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ... یہ کیا بکواس ہے؟''

وہ بولا۔ ''یہ آپ کی باتیں ہیں۔''

''لگتا ہے' تم صحافی کے بھیس میں اپوزیشن کے بندے ہو۔''

وہ بولا۔ ''نہ میں اپوزیشن کا بندہ ہوں' نہ آپ کا... میں صرف ایشور کا بندہ ہوں۔ یہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے آیا ہوں۔ اپنا فرض نبھانے آیا ہوں۔''

''تم فرض نبھانے نہیں' لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانے آئے ہو۔''

وہ بولا۔ ''جھوٹ بھڑکاتا ہے اور سچ پانی ڈالتا ہے۔ آپ ریکارڈر کو آن کریں تاکہ سچائی سب کے کانوں تک پہنچ سکے۔''

''یہ سچائی نہیں ہے' سازش ہے۔''

''یہ سازش نہیں ہے' آپ کی اور رمیش مکرجی کی ٹیلی فونک گفتگو ہے۔''

وہاں موجود صحافی اور دیگر افراد مطالبہ کرنے لگے کہ ریکارڈر کو آن کیا جائے۔ آخر سنا تو جائے کہ وہ صحافی اس ریکارڈنگ کے ذریعے کون سے پردے اٹھانے آیا ہے؟ سب ہی کے اندر تجسس بھڑک رہا تھا۔

ایس کے پجارا اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ ریکارڈر آن ہوتے ہی ڈھول کا پول کھل جائے گا۔ اس نے رمیش سے فون پر جو باتیں کی تھیں' وہ سب اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں۔

رمیش نے کہا تھا۔ ''یہ نہ دیکھو' کیسی چال چل رہا ہوں؟ یہ دیکھو' کس وقت چل رہا ہوں؟ اور یہ بھی سمجھو کہ اتنا شاندار موقع تم نے خود ہی مجھے دیا ہے۔ الیکشن کے سیزن میں پھونک پھونک کر قدم رکھے جاتے ہیں۔ یہ تمہاری بدبختی ہے کہ میری بیٹی سے دشمنی کرنے کے لیے تمہیں یہی وقت ملا تھا۔''

اس نے جواباً کہا تھا۔ ''نشانہ ایک بار ہی خطا ہوتا ہے۔ میری عارضی ناکامی کو اپنی کامیابی سمجھنے کی بھول نہ کرنا۔ تمہاری بیٹی کی قسمت اچھی تھی۔ لیکن ہمیشہ اچھی نہیں رہے گی۔ وہ سنا تو ہوگا کہ سو دن چور کے اور ایک دن شاہ کا...''

اس کے جواب سے واضح ہو رہا تھا کہ کلپنا پر جان لیوا حملہ اسی نے کروایا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس کنورسیشن کو عوام تک پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ رمیش نے موقع تاک کر حملہ کیا ہے۔ وہ ذرا گڑبڑایا تھا لیکن پھر سنبھل گیا تھا۔ سیاسی زندگی میں بارہا مخالفین کی طرف سے ایسے حملوں کا سامنا کرتا رہا تھا۔

اس نے حاضرین سے کہا۔ ''میں اس ریکارڈر کو آن نہیں کروں گا کیونکہ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ یہ ریکارڈنگ ایڈیٹنگ کے بعد یہاں پہنچائی گئی ہے۔ اور یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ ایڈیٹنگ کے بعد کوئی بھی چیز' کوئی بھی بات اپنی اصلی شکل میں نہیں رہتی۔ اس کیسٹ میں

یقیناً میری باتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہوگا۔''
اس صحافی نے کہا۔ ''اس کیسٹ میں آواز آپ کی ہے' لہجہ آپ کا ہے' الفاظ بھی وہی ہیں جو آپ نے ادا کیے۔''
''آپ کے بولنے سے میں ماننے والا نہیں ہوں۔ اپنی اس نوٹنکی کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں یا پھر میں اپنی پریس کانفرنس ختم کرتا ہوں۔''
وہ بولا۔ ''آپ سچائی کو روک نہیں سکتے۔ اس ریکارڈر کو آف کر کے یہ نہ سمجھیں کہ سچائی کا گلا گھونٹ دیا ہے۔''
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک باڈی گارڈ نے فوراً ہی آگے بڑھ کر وہ ریکارڈر اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر تمام مسلح باڈی گارڈز اپنے آقا کو حصار میں لے کر کانفرنس ہال سے باہر لے جانے لگے۔
ایسے وقت تمام صحافی بھی ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چل رہے تھے۔ ان کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ مختلف چینلز کے نمائندے اور کیمرا مین اس سے سوالات کرنے اور اس کی فوٹیج بنانے کی کوششوں میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔ مسلح باڈی گارڈز اسے سب سے بچاتے ہوئے بڑی حفاظت کے ساتھ گاڑی تک لے آئے۔
وہ ایک گارڈ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھنے لگی۔ سوال کرنے والے صحافیوں کا ہجوم پیچھے رہ گیا۔ نیوز چینلز کے کیمرے دور جاتی ہوئی گاڑی کی ویڈیو بنا رہے تھے اور ان کے نمائندے مائک ہاتھوں میں لیے ایس کے پجارا کی ادھوری پریس کانفرنس کے بارے میں بہت کچھ بول رہے تھے اور گھر بیٹھے ناظرین یہ تمام حالات لائیو دیکھ رہے تھے۔
اکثر ایسا ہوتا ہے' ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں' جب بڑے بڑے سیاستدان سچائی سے نظریں چرا کر منہ چھپا کر مسلح باڈی گارڈز کی فوج کے ساتھ عوام کے سامنے سے... رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ وہ جاتے جاتے اس ریکارڈر کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی تمام کیمرے اور مائک اس شخص کی طرف مڑ گئے جس نے ریکارڈر پیش کیا تھا۔ اس سے پوچھا جا رہا تھا کہ آخر اس کیسٹ میں کیسے حقائق چھپے ہوئے تھے؟
اس نے مسکرا کر کہا۔ ''مسٹر پجارا سمجھ رہے ہیں کہ وہ سچائی کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں جبکہ وہ اس دیش کے تمام چینلز پر سنائی جانے گی۔ ہر گھر میں گونجے گی اور پجارا جی کو خاموش نہیں کرا سکیں گے۔''
تھوڑی دیر بعد ہی تمام چینلز پر بریکنگ نیوز نشر ہونے لگی۔ ہر چینل سے رمیش مکرجی اور ایس کے پجارا کی ٹیلی فونک گفتگو سنائی جا رہی تھی۔
دوسری طرف رمیش مکرجی اپنے ٹی وی اسکرین پر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اس نے واقعی موقع تاک کر حملہ کیا تھا۔ اپنی اور پجارا کی وہ باتیں لوگوں کے کانوں تک پہنچا رہا تھا جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ پجارا نے ہی اس کی بیٹی سے دشمنی کی تھی۔ باقی تمام اہم سیاسی باتیں ایڈٹ کر دی گئی تھیں۔ یوں وہ خود کسی کی گرفت میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے موبائل فون کو دیکھا۔
اُدھر گاڑی میں کالنگ ٹون نے پجارا کو پکارا۔ اس نے فون نکال کر نمبر دیکھے۔ کوئی اجنبی کال کر رہا تھا۔ اس نے کال اٹینڈ کر کے بڑی حقارت سے کہا۔ ''میں سمجھ گیا' یہ تم ہی ہو رمیش مکرجی... آگ لگا کر ہاتھ تاپنے آئے ہو؟''
دوسری طرف سے کسی نے رعب دار لہجے میں کہا۔ ''وہ بلڈی رمیش تمہارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔ یہ میں بول رہا ہوں... سر جیسل مونٹھ...''
وہ نام سنتے ہی سنبھل گیا۔ پہلو بدل کر بولا۔ ''بات یہ نہیں ہے۔ دراصل حالات ایسے ہیں کہ وہ مجھ سے رابطہ کر سکتا ہے۔ اسی لیے...''
وہ بات کاٹ کر بولا۔ ''یہ حالات نہیں ہیں' تماشا ہے۔ آخر تم یہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟''
''ابھی تو پریس کانفرنس کر کے آرہا ہوں۔''
''ذرا ٹی وی آن کر کے دیکھو اور سنو... تم نے اپنی بیوقوفی سے جو چنگاری سلگائی ہے' رمیش اسے بھڑکا کر شعلہ بنا رہا ہے۔''
''ابھی میں راستے میں ہوں۔ آپ بتائیں' وہ کیا کر رہا ہے؟''
جیسل نے کہا۔ ''دشمنوں سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے۔ تم نے اس کی بیٹی پر حملہ کرنے کے بعد ٹیلی فون پر جو باتیں کی ہیں' وہ ہم سب آن ایئر سن رہے ہیں۔ وہ تمہاری احمقانہ دشمنی کو ہتھیار بنا کر تم پر ہی وار کر رہا ہے۔''
اس نے پریشان ہو کر پہلو بدلا پھر کہا۔ ''مجھے کچھ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔''
''ہمیں تعجب ہے۔ تم الیکشن کی تیاری کرنے کے بجائے اس سے دشمنی کر رہے ہو اور اس سلسلے میں ہم سے

مشورہ کرنا بھی گوارا نہ سمجھا؟“

”کچھ معاملات میرے ذاتی بھی تو ہو سکتے ہیں۔“

”ذاتی...؟ اپوزیشن کی لڑکی پر حملہ کروایا‘ یہ تمہارا ذاتی معاملہ تھا؟“

کلپنا پر کیا جانے والا حملہ گلے کی ہڈی بن رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس معاملے میں ایسے الجھ کر رہ جائے گا۔ پھر بھی‘ بگڑتی ہوئی بات کو کسی نہ کسی صورت سنبھالنا ہی تھا۔

جیسل نے ایک ذرا ٹھہر کر کہا۔ ”بے شک۔ تم ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہو مگر یہ مت بھولو کہ ہمارے ہاتھوں کی کٹھ پتلی ہو۔ تمہارا ہر معاملہ ہماری ڈور سے بندھا ہے۔ ہم تمہیں نادانیوں کی اجازت نہیں دیں گے۔ رمیش کے معاملے کو کسی بھی طرح سنبھالنے کی کوشش کرو۔“

اس کی گاڑی محل نما کوٹھی کے احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ وہ اپنے گارڈز کے ساتھ گاڑی سے اتر کر اندر جاتے ہوئے بولا۔ ”فکر نہ کریں۔ میں اس گفتگو کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ ابھی اپنی پریس کانفرنس میں بھی کہا تھا‘ آئندہ بھی یہی کہوں گا کہ اسے ایڈٹ کیا گیا ہے۔“

”دشمن کسی بھی معاملے کو اسی وقت اچھالتا ہے‘ جب کوئی سودا کرنا چاہتا ہے۔ اس سے پوچھو‘ وہ کیا چاہتا ہے؟“

”وہ چاہتا ہے‘ میں اپوزیشن میں نہ رہوں۔“

”یہ تو کبھی ہو نہیں سکتا۔ تم ہمارے ریس کے وہ گھوڑے ہو جس پر ہم نے اندھا دھند رقم لگائی ہے۔ دوڑنا تو تمہیں پڑے گا۔ اسے کسی اور سودے پر راضی کرو۔ سمجھوتے کی کوئی راہ نکالو۔“

”اس کا ایک ہی مطالبہ ہے۔“

جیسل ذرا دیر چپ رہا پھر بولا۔ ”ہماری کمزوریوں سے دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ تم اس کی کوئی کمزوری تلاش کرو۔ اسے کسی ایسے معاملے میں الجھاؤ کہ وہ منہ کے بل گر پڑے۔“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ ”تمہاری بھول‘ تمہاری نادانی صرف رمیش کی طرف سے ہی نہیں‘ ہماری طرف سے بھی تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جو غلطی کر چکے ہو‘ اس کا جلد از جلد ازالہ کرو۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں‘ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ایک غلط فیصلے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اُدھر رمیش کی طرف سے حملے ہو رہے تھے اور اِدھر یہودی آقاؤں کی ناراضی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ بُری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ جی تو کر رہا تھا کہ ان باپ بیٹی کو گولیوں سے بھون ڈالے۔ ان کا قصہ ہی پاک کر دے۔ مگر ابھی جوش سے نہیں‘ ہوش سے کام لینا تھا۔

فون کی کالنگ ٹون نے پھر مخاطب کیا۔ وہ بٹن دبا کر اسے کان سے لگا کر بولا۔ ”ہیلو...؟“

دوسری طرف سے رمیش کی آواز سنائی دی۔ ”لگتا ہے‘ بہت مصروف ہو گئے ہو۔ کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔ تمہارا فون انگیج مل رہا تھا۔“

وہ ناگواری سے بولا۔ ”تمہاری اُس جعلی گفتگو کی گونج سن رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں‘ وبا اور افواہ اسی طرح پھیلتی ہے۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”تم کچھ بھی کہو۔ بس یہ دیکھتے رہو کہ ثبوت اور گواہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟“

”من گھڑت قصے اچھے تو لگتے ہیں مگر پائیدار نہیں ہوتے۔ تم جو چال چل رہے ہو‘ وہ جلد ہی بگڑ جائے گی۔“

”فی الحال تم اپنی بگڑی کو بناؤ۔“

”تم اپنی بیٹی کے حوالے سے جو کیچڑ مجھ پر اچھال رہے ہو‘ اسے تمہارے منہ کی کالک نہ بنا دیا تو میرا نام بھی ایس کے پجارا نہیں۔ میں ثابت کر دوں گا کہ تم باپ بیٹی فراڈ ہو۔ سیاہ کو سفید کرنے میں ماسٹر ہو اور...“

وہ اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ارے ارے۔ اتنا زہر نہ اُگلو۔ یہ گفتگو ریکارڈ نہیں کی جا رہی ہے۔“

”تم نے بے مقصد تو میرا نمبر نہیں ملایا ہوگا۔“

”ہاں۔ مقصد ہے نا... وہی ایک مطالبہ... تم نے کلپنا سے جو دشمنی کی ہے‘ میں اسے بھول سکتا ہوں اگر تم اپوزیشن میں نہ رہو تو...“

”یہ مطالبہ نہیں‘ تمہارا خواب ہے۔“

”ہم خواب دیکھتے ہیں‘ تب ہی تعبیریں ملتی ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرا ووٹ بینک بڑھ رہا ہے اور دیکھ لو‘ حقیقتاً ایسا ہی ہو رہا ہے۔“

وہ اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا پھر بولا۔ ”کوئی اور سمجھوتا کرنا چاہتے ہو تو بولو؟“

”تم نے میرے مطالبے کو خواب کہا ہے۔ میں اس کی تعبیر حاصل کر کے ہی دم لوں گا۔ تم میرے خوابوں کو روک سکتے ہو تو روک لو یا میری آنکھیں پھوڑ ڈالو۔“

اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ ایس کے پجارا بڑی دیر تک اپنے فون کو گھورتا رہا‘ سوچتا رہا۔ اس کے دماغ میں...

جیسل کی باتیں گونج رہی تھیں۔ اب ٹھنڈے دماغ سے سمجھنا تھا کہ رمیش مکرجی کی کمزوری کیا ہو سکتی ہے؟ یا پھر اسے ایسے کون سے معاملے میں الجھایا جا سکتا ہے کہ وہ اوندھے منہ گر پڑے۔

بلاشبہ ان دو سیاست دانوں کے دماغ الگ الگ تھے۔ مگر ان شاطر دماغوں میں شیطانی ہیرا پھیریاں اور مکاریاں پیدا کرنے والا شیطان ایک ہی تھا۔ اور شیطان کا کام یہی ہوتا ہے‘ مکاری کی بساط پر کبھی ایک کو آگے بڑھاتا ہے تو دوسرے کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ ایک کو زبر کرتا ہے تو دوسرے کو زیر کر دیتا ہے۔ فی الحال ایس کے پجارا زیر ہو رہا تھا مگر آئندہ زبر بھی ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

ایک طرف سیاسی کشمکش جاری تھی تو دوسری طرف محبت کی کشش پیدا ہو رہی تھی۔ محبوب خان اور کلپنا ایک دوسرے کی طرف یوں کھنچتے تھے جیسے مقناطیس اپنی جانب کھینچتا ہے۔

ایسی کھینچا تانی میں ان کے اسکینڈل کی بازگشت اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ بس یہی ایک بات تھی جس سے محبوب خان کو جھجک ہوتی تھی۔ وہ سوچتا تھا‘ کاش کلپنا مشہور ماڈل گرل نہ ہوتی۔ ایک عام سی لڑکی ہوتی تو دنیا والوں کی نظروں میں نہ آتی۔ اس کی کوئی بات خبر نہ بنتی۔ وہ ہر ملاقات کو آخری ملاقات بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نئی ملاقات کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔

کرکٹ سیریز شروع ہو چکی تھی۔ وہ پہلے دن کا میچ دیکھنے کے بعد ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کرکٹ کے بارے میں گرماگرم بحث ہو رہی تھی۔ پھر بات نکلی ہندوستان کے علاقوں کے بارے میں تو کلپنا نے کہا۔ ”ذرا یہ سیریز ختم ہو جائے پھر میں آپ کو شملہ لے کر جاؤں گی۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”نہیں کلپنا جی! میں سیریز ختم ہوتے ہی واپس چلا جاؤں گا۔“

واپسی کا سنتے ہی اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ وہ تو شاید یہ بھول ہی گئی تھی کہ محبوب خان ایک پردیسی ہے اور پردیسیوں کو ایک نہ ایک دن اپنے دیس لوٹنا ہی پڑتا ہے۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”کیا ہندوستان نہیں دیکھیں گے؟“

”دیکھنا تو بہت کچھ تھا۔ بہت سی جگہوں پر جانے کا پروگرام بنا کر آیا تھا لیکن...“

”لیکن کیا...؟“

”مجھے لگتا ہے‘ یہاں رُکنا مناسب نہیں ہوگا۔“

”فار گاڈ سیک۔ اسکینڈل کی وجہ سے جانے کی بات نہ کریں۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”فرق تو پڑ رہا ہے۔ آپ کے اکثر مداح مجھے آپ کے ساتھ دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ میں خبروں کے ذریعے ان کا ری ایکشن دیکھ رہا ہوں۔ ایک پاکستانی نوجوان سے آپ کا میل جول انہیں پسند نہیں آ رہا ہے۔ میں نے آپ کے بارے میں بھی انہیں الٹے سیدھے انٹرویوز دیتے ہوئے سنا ہے۔“

”آپ جنہیں دیکھ رہے ہیں جنہیں سن رہے ہیں‘ وہ متعصب ہیں۔ مگر ایسے بھی تو ہیں جو آپ کو میرا محسن مانتے ہوئے آپ کی قدر کرتے ہیں۔ کیا آپ ان کی باتیں نہیں سنتے؟ ان کا پازیٹوری ایکشن نہیں دیکھتے؟“

”میں بہت کچھ سن رہا ہوں‘ بہت کچھ دیکھ رہا ہوں۔“

ایسے ہی وقت کلپنا کے فون کی کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے نمبر دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ”ڈیڈ کال کر رہے ہیں۔“

پھر فون کو کان سے لگا کر چہک کر بولی۔ ”ہیلو ڈیڈ! کیسے ہیں آپ...؟“

”پہلے یہ بتاؤ‘ تم کہاں ہو؟“

وہ ٹھٹک کر بولی۔ ”میں... میں ایک ریسٹورنٹ میں ہوں۔“

”کس کے ساتھ...؟“

”ڈیڈ! یہ کیسا سوال ہے؟“

رمیش نے کہا۔ ”جو پوچھ رہا ہوں‘ اس کا جواب دو۔“

”آپ نے پہلے تو کبھی یہ حساب نہیں مانگا۔ کبھی ایسے سوال نہیں کیے پھر آج کیوں...؟“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”تم یقیناً اب تک اس پاکستانی لڑکے کے ساتھ ہی ہو۔“

”اب تک کا مطلب...؟“

”میں ابھی ٹی وی پر لائیو کرکٹ میچ دیکھ رہا تھا۔ تم اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں اور کیمرا گھوم پھر کر تم دونوں کی ہی ویڈیو بنا رہا تھا۔“

”تو کیا ہوا ڈیڈ...!“

”میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا۔ بے شک وہ ہمارا محسن ہے لیکن تم اس کے ساتھ زیادہ وقت نہ گزارا کرو۔“

اس نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔ ”آپ بھی دوسرے لوگوں کی طرح بات کر رہے ہیں۔“

"مجھے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔ تم جانتی ہو میں کیسے حالات سے گزر رہا ہوں؟ کس طرح دشمن سے نمٹ رہا ہوں؟ اپنا ووٹ بینک بڑھانے کے لیے کیسی کیسی چالیں چل رہا ہوں۔ اس وقت مجھے لوگوں کی حمایت کی ضرورت ہے، مخالفت کی نہیں۔ تم اس سے ملتی رہو گی تو مجھے نقصان پہنچے گا۔"

اس نے محبوب خان کی طرف دیکھا پھر فون پر پوچھا۔ "اس کا آپ کی سیاست سے کیا تعلق؟"

"کیسی نادانوں والی بات کر رہی ہو؟ ہم نے پجارا کی ایک غلطی کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کو اپنا حمایتی بنا لیا ہے۔ مگر تم اس پاکستانی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ناراض کر رہی ہو۔ اس وقت ہندوستان کا ایک ایک فرد میرا ووٹ ہے۔ میں کسی کی مخالفت یا ناراضی مول لے کر اپنا ووٹ بینک گھٹانا نہیں چاہتا۔ الیکشن ہوجانے دو پھر اس سے ملتی رہنا۔ میں منع نہیں کروں گا۔"

"الیکشن کے بعد...؟ اس میں تو ابھی ایک ماہ باقی ہے۔"

"الیکشن سے پہلے ایک ایک لمحہ سیاست دانوں کے لیے امتحان جیسا ہوتا ہے۔ میں جس طرح پجارا پر حملے کر رہا ہوں' یقیناً وہ بھی جوابی حملے کرے گا۔ عین ممکن ہے' وہ لوگوں کا ری ایکشن دیکھتے ہوئے اس پاکستانی لڑکے کو ایشو بنا لے۔"

"مثلاً کیسا ایشو...؟"

"وہ تمہارے اسکینڈل کو مزید اچھال کر لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا سکتا ہے۔ تم پاک بھارت تعلقات کو تو اچھی طرح سمجھتی ہو۔ اگر ہمارے ملک کے پچاس فیصد لوگ پاکستانیوں کو پسند کرتے ہیں تو پچاس فیصد ان سے نفرت بھی کرتے ہیں۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "یس ڈیڈ! سمجھ رہی ہوں۔ آپ متعصب لوگوں کی پروا کر رہے ہیں۔ لیکن میں کسی کی پروا نہیں کرتی۔"

"تم صرف اپنے باپ کے ووٹ بینک کی پروا کرو۔ اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ الیکشن کے بعد کوئی پابندی نہیں رہے گی۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے محبوب خان کو دیکھا پھر فون پر کہا۔ "اچھا۔ میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ ابھی کے لیے بائے..."

اس نے فون بند کر دیا۔ محبوب خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کلپنا نے کہا۔ "پوچھیں گے نہیں' ڈیڈ کیا بول رہے تھے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "بات سمجھ میں آجائے تو پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ان کا کہنا بھی ٹھیک ہی ہے۔ اس وقت سیاسی کشمکش جاری ہے۔ ڈیڈ کے لیے مجھے محتاط ہونا پڑے گا۔"

پھر اس نے چند لمحوں بعد کہا۔ "آپ کے ویزے کے مطابق ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ تین ہفتے باقی ہیں اور جب تک الیکشن ہوں گے' آپ اپنے وطن لوٹ چکے ہوں گے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ محبوب خان بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ کلپنا نے کرسی پر پہلو بدل کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "مجھے کچھ کہنا ہے۔"

"جی... بولیں۔"

"میں آپ کو روکنا چاہتی ہوں۔"

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔ "جی...؟"

"اچھے دوست' اچھے ساتھی قسمت سے ہی ملتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں' الیکشن کے بعد آپ کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اس وقت تک میرے ویزے کا ٹائم پورا ہو چکا ہوگا۔"

"یہ تو کوئی پرابلم نہیں ہے۔ آپ اسے بڑھوا سکتے ہیں۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ انڈیا آنے سے پہلے اس نے بہن سے کہا تھا کہ شاید ویزے کے پورے تیس دنوں تک وہاں رُک نہیں سکے گا۔ اپنوں کی کشش اور محبت اسے جلد ہی واپس کھینچ لائے گی۔

مگر اب حالات بدل رہے تھے۔ کلپنا اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ ہندوستان پہنچتے ہی اس خوبصورت سی زنجیر میں جکڑ گیا تھا۔ خود کو چھڑا کر جانا نہیں چاہتا تھا لیکن جانا ضروری بھی تھا۔

اُف...! کسی مرنے والے کو اپنی آخری سانسوں میں زندگی اتنی ہی خوبصورت اور پُرکشش لگتی ہوگی۔ سانس کا ساتھ چھوڑنے کو' آخری ہچکی لینے کو جی نہیں کرتا ہوگا۔

"کاش...! کوئی آکسیجن ماسک لگا دے' ایک بار سانس لینے کا' زندگی کی رعنائیوں میں پلٹنے کا موقع دے دے کہ میں جینا چاہتا ہوں... ابھی اور جینا چاہتا ہوں۔"

کلپنا نے ٹیبل پر ایک انگلی بجا کر پوچھا۔ "ہیلو...! کیا ہوا؟ خاموش کیوں ہیں؟"

وہ ٹھٹک کر بولا۔ "کچھ نہیں۔ آپ نے جو مشورہ دیا' اسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ویزے میں توسیع کروانا مشکل نہیں ہے۔ لیکن گھر والوں کو راضی کرنا ذرا مشکل ہوگا۔"

"اور آپ میری خاطر اس مشکل کو آسان کر ہی لیں گے۔"

اس نے جواباً کچھ نہ کہا۔ زیرِلب مسکرانے لگا۔ وہ اس کے دل کی بات کہہ رہی تھی اور بڑے دعوے سے کہہ رہی تھی۔ لیکن مقدر کی بات کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنے حساب سے سوچ رہے تھے اور مقدر کا حساب کچھ اور تھا۔

☆☆☆

موبائل فون کی کالنگ ٹون چیخ رہی تھی۔ ایس کے پجارا نے اٹھا کر اسے دیکھا۔ آشا کال کر رہی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر فون کو کان سے لگا کر کہا۔ "ہاں، بولو... کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولی۔ "تمہارے ہی کام سے بھٹک رہی تھی۔ ہوٹل کا منیجر کچھ اڑیل تھا۔ دام بڑھانے پر رام ہوا۔ ماسٹر کی دینے کے لیے بڑی ماسٹری دکھا رہا تھا۔"

"کام کا بتاؤ' ہوا یا نہیں؟"

"کام تو ہو گیا۔ تمہاری دی ہوئی دستاویزات اپنے ہاتھوں سے اُس کے روم میں چھپا کر آئی ہوں۔"

"یہ یقین تو ہے نا' وہ محبوب خان کا ہی کمرا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور روم میں..."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا میں کوئی نادان بچی ہوں جو ایسی غلطی کروں گی؟"

"غلطی کی گنجائش ہے بھی نہیں۔"

"ہائے بے چارہ محبوب خان... دو سیاست دانوں کے بیچ مفت میں سینڈوچ بن رہا ہے۔ ابھی نہ جانے کلپنا کے ساتھ کہاں گھوم پھر رہا ہوگا؟ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کیسے اُس کی دنیا گھومنے والی ہے۔"

"رمیش کو شہ مات دینے کے لیے اس چھوکرے کو پھنسانا ضروری تھا۔ ہم نے جو ڈاکیومینٹس اس کے روم میں چھپائے ہیں' ان کے ذریعے وہ نوجوان پاکستانی جاسوس ثابت ہوگا اور اِدھر میں رمیش پر یہ الزام لگاؤں گا کہ محبوب خان سے اس کے گہرے تعلقات ہیں۔ رمیش کو ملک دشمن ثابت کرنے کے لیے اس چھوکرے کو پھنسانا ضروری تھا۔"

"ویسے تمہارا گیم بہت زبردست ہے۔ اسے اور پاور فل بنانے کے لیے میرے پاس ایک سرپرائز ہے۔"

"کیسا سرپرائز...؟"

"تم گھر پر ہی ہو نا؟"

"ہاں۔ تم کہاں ہو؟"

"تمہاری طرف ہی آرہی ہوں۔ راستے میں ہوں۔ فون بند کرو۔ سمجھو پہنچ ہی گئی۔"

وہ فون بند کر کے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ آ کر گلے کا ہار بن گئی۔ وہ اسے الگ کرتے ہوئے بولا۔ "تم کس سرپرائز کی بات کر رہی تھیں؟"

"پہلے سودا کرو۔"

"کام کی چیز ہوگی تو سودا ہوگا۔"

"کام کی چیز ہے' تب ہی دام مانگ رہی ہوں۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک یو ایس بی نکالی۔ پھر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ننھی سی پین ڈرائیو بڑے کام کی ہے۔"

"کیا ہے اس میں...؟"

"تم نے ابھی میرے ذریعے جو تحریری دستاویزات اور آڈیو ویڈیو کیسٹس محبوب خان کے روم میں پہنچائی ہیں' وہ اسے پاکستانی جاسوس ثابت کرنے والی ہیں۔ اور اس یو ایس بی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلپنا کے اس سے کتنے گہرے تعلقات ہیں؟ یہ ان باپ بیٹی کے خلاف ایک طرح کا ٹھوس ثبوت ہے اور تمہیں اس وقت ایسی چیزوں کی بہت ضرورت ہے۔"

پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارا لیپ ٹاپ کہاں ہے؟"

اس نے ایک ملازم کے ذریعے اپنا لیپ ٹاپ منگوایا۔ پھر اسے آن کر کے یو ایس بی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا اس میں تصویریں ہیں؟"

"نہیں۔ ایک چھوٹی سی ویڈیو ہے۔ ایک نیوز چینل کے نمائندے نے اسے اُس وقت ریکارڈ کیا تھا جب کلپنا محبوب خان سے ملنے کے لیے ہوٹل کے روم میں گئی تھی۔ بات معمولی سی تھی مگر تم تو جانتے ہو، جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ایک عام سی بات کو بہت خاص بنا دیا جاتا ہے۔ اسے بھی کچھ اسی انداز میں ایڈٹ کیا گیا ہے۔"

وہ یو ایس بی اس سے لے کر سسٹم سے منسلک کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے بولی۔ "یہ ننھی سی یو ایس بی مجھے کافی مہنگی پڑی ہے۔ اب یہ نہ پوچھنا کہ اُس نمائندے کو کتنی رقم دی؟ بس اتنا جان لو کہ جتنی بھی دی' اُس کا ڈبل لوں

گی۔“

”تم بہت گہری ہو۔ مجھے وہ نمائندہ تمہارا ہی کوئی بندہ لگ رہا ہے۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”تم ہی تو کہتے ہو، آم کھاؤ، پیڑ نہ گنو۔ میں تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھتی رہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں پیڑ نہیں گنوں گا۔ کل تم نوٹ گن لینا۔“

اس نے یو ایس بی لے کر لیپ ٹاپ سے منسلک کی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسکرین پر ایک ویڈیو کلپ آنے لگا۔ وہ اسی دن کی ویڈیو تھی جب نیوز چینل کے تین نمائندے بنا اجازت لیے محبوب خان کے کمرے میں گھس گئے تھے اور مووی بناتے رہے تھے۔ ایسے وقت کلپنا نے انہیں دھکے دے کر باہر نکالا تھا۔

اب ایڈیٹنگ کے بعد اس ویڈیو کو دیکھنے سے یہی تاثر مل رہا تھا جیسے کلپنا اور محبوب خان کے درمیان ناجائز تعلقات ہیں۔

اسے دیکھنے کے بعد آشا نے مسکرا کر پوچھا۔ ”کیوں؟ کام کی چیز ہے نا؟“

”گڈ جاب... پاکستانی جاسوس ثابت ہونے کے بعد اس سے اتنے گہرے تعلقات منظرِ عام پر آئیں گے تو پورا کا پورا ہندوستان ان باپ بیٹی کے خلاف ہو جائے گا۔“

”اس سے صرف رمیش کا ہی نہیں، کلپنا کا کیریئر بھی تباہ ہو جائے گا۔“

”تم بہت چالاک ہو۔ لگے ہاتھوں کلپنا کا کیریئر بھی داؤ پر لگا دیا۔“

”یہ گر بھی تم سے ہی سیکھا ہے۔ اب بتاؤ، کب کرو گے یہ دھماکے...؟“

وہ شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ”آج کی رات انہیں چین سے سونے دو۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کل صبح کا سورج ان کے لیے کیسے مصائب اور جھمیلے لے کر اُبھرنے والا ہے؟“

☆☆☆

محبوب خان کا موبائل فون گنگنا رہا تھا، اسے پکار رہا تھا۔ اس نے واش روم سے باہر آ کر اسے اٹھایا۔ پھر زیرِ لب مسکرانے لگا۔ فون کے ذریعے کلپنا پکار رہی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا۔ گنگناتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

”کیسے ہیں آپ...؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں جدا ہوئے آدھا گھنٹا بھی نہیں گزرا ہے اور آپ ایسے خیریت دریافت کر رہی ہیں جیسے بہت دن گزر گئے ہیں۔“

”بہت دن تو نہیں گزرے مگر بہت دنوں کے لیے جدا ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ آج کی ملاقات آخری تھی۔“

اس نے تڑپ کر کہا۔ ”آخری نہ کہیں۔ الیکشن تک میں اپنے ویزے میں توسیع کروا لوں گا۔ ہم پھر ملیں گے۔“

”آپ کے حساب سے ہم ایک ماہ بعد ملیں گے لیکن مجھے کل صبح ہی آپ سے ملنا ہوگا۔“

”آپ نے اپنے ڈیڈ سے وعدہ کیا ہے۔ کیا وعدہ خلافی کریں گی؟“

”مجبوری ہے۔ ملنا بہت ضروری ہے۔“

اس کے لہجے میں شوخی تھی۔ اس نے مسکرا کر پوچھا۔ ”اچھا۔ اچانک ہی کونسی ضرورت پڑ گئی؟“

”بس یوں سمجھیں کہ آپ کا دل میری مٹھی میں ہے۔ اگر واپس نہ کیا تو آپ کی دھڑکنیں رک جائیں گی۔“

وہ اس کی بات سن کر ذرا سنجیدہ ہو گیا پھر بولا۔ ”دل جسم کا وہ حصہ ہے جسے ہم نکال کر کسی کو نہیں دیتے۔ لیکن پھر بھی کوئی جانے انجانے میں اسے چرا کر لے جاتا ہے۔ اگر میرا دل آپ کے پاس ہے تو اُسے لوٹانے کے بجائے اپنا دل مجھے دے دیں۔“

کلپنا کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ پہلو بدل کر بولی۔

”ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔“

”پوچھیں...؟“

”شاید یہ آپ کی زندگی کا سب سے اہم سوال ہوگا اور مجھے یقین ہے اب تک کسی نے آپ سے پوچھا نہیں ہوگا۔“

”آپ پوچھ سکتی ہیں۔“

وہ چند لمحوں تک خاموش رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔ ”ڈو یو لَو می...؟“

اس نے ایک گہری سانس ایسے کھینچی جیسے اسے اپنے اندر اتار لینا چاہتا ہو۔ ”آپ نے دل کی بات کی ہے تو بولنے کا حوصلہ مل رہا ہے۔ ورنہ یہی سوچ رہا تھا کہ آپ کیا سوچیں گی؟ میری میزبان بن رہی ہیں اور میں...“

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ”ڈو یو لَو می...؟“

”یہ سچ ہے، یہ سوال مجھ سے آج تک کسی نے نہیں کیا۔ آپ کر رہی ہیں تو جواب بھی ضرور دوں گا۔“

ان کے درمیان کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ وہ لمحاتی انتظار بہت ہی غضب ناک تھا۔ کلپنا کو اپنی ہی دھڑکنیں سنائی

دے رہی تھیں۔ مگر وہ اسے سننا چاہتی تھی۔ پھر وہ گہری سرگوشی میں بولا جیسے سیدھا دل میں اتر گیا۔ ”یس... آئی لو یو...“

کلپنا نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے دل میں اترنے والے کو اپنے اندر... اور اندر چھپا لینا چاہتی ہو۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر ہاتھ میں دبے ہوئے سبز پاسپورٹ کو دیکھا۔ وہ محبوب خان کا پاسپورٹ تھا جسے اس نے کلپنا کے بیگ میں رکھوایا تھا۔ یہی سوچا تھا کہ ہوٹل جاتے ہوئے واپس لے لے گا۔ مگر جدائی کے لمحات ایسے تھے کہ وہ دونوں ہی بھول گئے۔

کلپنا نے اس بھول کو یاد دلانے کے لیے اس وقت فون کیا تھا۔ شوخی میں اس پاسپورٹ کو محبوب کا دل کہا تھا۔ کیا معلوم تھا کہ مذاق مذاق میں بات سچ مچ دل تک ہی پہنچ جائے گی۔

وہ اتنے دنوں تک ملاقاتیں کرتے رہے، ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے چراتے رہے۔ کبھی محبت کا اظہار نہ کیا اور کیا بھی تو تب، جب اُن کے درمیان جدائی کا ایک مہینا حائل ہونے والا تھا۔ سچ ہی کہا جاتا ہے کہ خوشی کے ساتھ غم اور ملن کے سنگ جدائی ہوتی ہے۔ اب یہ جدائی اور کشش بڑھا رہی تھی۔

محبوب نے پوچھا۔ ”آپ خاموش کیوں ہیں؟“

”آپ نہ کہو... تم کہو۔“

”آپ نے... میرا مطلب ہے... تم... تم نے سوال کیا، میں نے جواب دیا۔ کیا مجھے کوئی جواب نہیں ملے گا؟“

وہ دھیرے سے مسکرا کر بولی۔ ”تم نے کوئی سوال نہیں کیا ہے۔“

”میری دھڑکنیں سوالی ہیں۔“

”اگر دھڑکنوں کی بولی سمجھتے ہو تو جواب سن لو...“

اس نے اپنا موبائل فون سینے سے لگا لیا۔ محبوب کے کانوں تک اس کی دھڑکنیں پہنچنے لگیں۔ وہ دھڑکنیں الفاظ سے محروم تھیں۔ مگر اس نامحرم کو محرم بنا رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد اس نے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ ”میں صبح تمہارے پاس آؤں گی۔“

”جذباتی نہ بنو۔ یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”تمہارا پاسپورٹ میرے پاس ہے۔ میرے خیال سے یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

وہ ٹھٹک کر بولا۔ ”پاسپورٹ...؟ اوہ نو... وہ تمہارے بیگ میں تھا؟“

”اب میرے ہاتھ میں ہے۔“

”او گاڈ...! میں اسے کیسے بھول گیا؟“

”تمہاری یہ بھول ہم دونوں کو زندگی بھر یاد رہے گی۔ یہ بیچ میں گرین سگنل ثابت ہو رہا ہے۔“

وہ تھوڑی دیر تک ایک دوسرے سے بولتے رہے۔ پھر کلپنا نے کہا۔ ”اب میں فون بند کر رہی ہوں۔ صبح ملتے ہیں۔“

ان کے درمیان رابطہ ختم ہو گیا۔

کبھی کبھی کسی رات کی صبح نہیں ہوتی۔ بظاہر دن نکل آتا ہے مگر ایسا لگتا ہے جیسے اُس اُجالے میں گزشتہ رات کی سیاہی ملی ہوئی ہے۔

فون کی گھنٹی چیخ رہی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ابھی جاگنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کسمسا کر کروٹ بدل لی۔ مگر اندازہ ہو رہا تھا کہ فون کے ذریعے پکارنے والا اسے جگا کر ہی دم لے گا۔

اس نے بیزار ہو کر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑائی۔ ”او گاڈ...! اتنی صبح صبح کون گھنٹیاں بجا رہا ہے؟“

پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولی۔ ”ہیلو کون...؟“

”میں بول رہا ہوں۔“

”اوہ ڈیڈ...! اس وقت کال کر رہے ہیں۔ کیا بھول گئے کہ یہاں ابھی صبح ہوئی ہے؟“

”ابھی اسی وقت ٹی وی آن کرو۔“

اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔ ”ٹی وی...؟“

اس کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”ہاں، ٹی وی... ٹیلی ویژن... کیا بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟“

”تو آپ ڈانٹ کیوں رہے ہیں؟“

”ڈانٹ نہیں رہا ہوں۔ جو بول رہا ہوں، وہ کرو۔“

وہ سائڈ ٹیبل پر رکھے ریموٹ کنٹرول کو اٹھاتے ہوئے بولی۔ ”آخر بتائیں تو کیا بات ہے؟ اتنی صبح صبح کیا دکھانا چاہتے ہیں؟“

”انڈین نیوز چینل لگاؤ۔“

اس نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا۔ بیڈ کے سامنے رکھے ہوئے ٹی وی کی بڑی سی اسکرین روشن ہو گئی۔ وہ چینل بدلتے ہوئے بولی۔ ”ڈیڈ! پلیز... سسپنس ختم کریں۔ بولیں کیا بات ہے...؟“

”تمہارے اُس محبوب خان کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔“

"کیا...؟" وہ اچھل کر رہ گئی۔ "محبوب کو گرفتار کیا گیا ہے؟ مگر کیوں؟ کس جرم میں...؟"

ایک چینل پر بریکنگ نیوز آرہی تھی کہ محبوب خان نامی ایک پاکستانی جاسوس کو گرفتار کیا گیا ہے۔ کلپنا نے شدید پریشانی سے پوچھا۔ "یہ سب کیا ہورہا ہے ڈیڈ...؟"

"یہ ہوا نہیں ہے، کروایا گیا ہے۔ ایس کے پجارا اسے پاکستانی ایجنٹ ثابت کررہا ہے۔"

"مگر پجارا کا محبوب سے کیا لینا دینا؟"

"کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اُس کا ٹارگٹ میں ہوں' وہ جوابی حملہ کررہا ہے۔ مجھ پر الزام لگانا چاہتا ہے کہ میں پاکستانی ایجنٹوں سے تعلقات رکھتا ہوں۔ اسی لیے اس چھوکرے کو مہرہ بنا رہا ہے۔ اور یہ موقع تم نے اُسے دیا ہے۔"

"میں نے...؟"

"ہاں۔ پورے انڈیا میں تم دونوں کے اسکینڈل کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ وہ اسی پوائنٹ کو اچھال رہا ہے۔ اس نے ثبوت کے طور پر تمہارا اور محبوب کا ایک ویڈیو کلپ بھی آن ائر پیش کیا ہے۔ یہ الزام بہت بڑا ہے۔ کیا تم اس کی سنگینی کو سمجھ رہی ہو؟ را والے پیچھے پڑ جائیں گے۔ محبوب کی تو کھال ادھیڑی ہی جائے گی' ہمارا احتساب بھی شروع ہوجائے گا۔"

را کا نام سنتے ہی وہ لرز کر رہ گئی۔ جرم ثابت ہونا تو دور کی بات ہے، وہ لوگ کسی کو شبہے کی بنیاد پر بھی پکڑتے ہیں تو اسے رہائی کے قابل نہیں چھوڑتے۔ خاص طور پر پڑوسی ملک کا کوئی جاسوس یا ایجنٹ پکڑا جاتا ہے تو اسے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔

وہ بولا۔ "جس دن محبوب نے اس دھرتی پر قدم رکھا' اس روز سے تم اس کے ساتھ دیکھی جارہی ہو۔ سمجھاتا تھا کہ اس پاکستانی سے راہ ورسم نہ بڑھاؤ۔ مگر تمہاری سمجھ میں بات نہیں آتی تھی۔ نہ جانے وہ بدبخت کون ہے؟ اس کے پاس تو پاسپورٹ بھی نہیں ہے۔"

وہ ایک دم سے ٹھٹک کر بولی۔ "پاسپورٹ...؟ اس کا پاسپورٹ تو میرے پاس ہے۔"

"تمہارے پاس...؟"

وہ بستر سے اتر کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔ "یس ڈیڈ! وہ بھول گیا تھا۔ مجھے ابھی اس کے پاس جانا ہوگا۔"

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ وہاں پاسپورٹ دینے جاؤ گی تو را والے تمہاری گردن دبوچ لیں گے۔ کوئی یہ لحاظ نہیں کرے گا کہ تم سپر ماڈل ہو۔ بس یہ دیکھا جائے گا کہ اس پاکستانی جاسوس کا پاسپورٹ تمہارے پاس سے برآمد ہوا ہے۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "وہ جاسوس نہیں ہے ڈیڈ...!"

"اس کے کمرے سے کچھ ایسی دستاویزات اور آڈیو ویڈیو کیسٹس برآمد ہوئی ہیں جن کے ذریعے شبہ کیا جارہا ہے کہ وہ..."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ مصیبت میں ہے اور مجھے ہر حال میں اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ٹی وی پر دیکھیں... سلائڈ چل رہی ہے۔ پولیس تفتیش کررہی ہے' را والے اس سے پاسپورٹ مانگ رہے ہیں۔ مجھے جانا ہوگا ڈیڈ...!"

"جذباتی مت بنو کلپنا... بس اتنا سمجھو کہ تم وہاں دشمنوں کے درمیان ہو۔"

"سوری ڈیڈ! میں فون بند کررہی ہوں۔ بعد میں بات کروں گی۔"

اس نے کوئی جواب سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ وہ نائٹ ڈریس میں تھی۔ حلیہ بدلنے کا وقت نہیں تھا۔ دل اپنے محبوب کی طرف کھنچا جارہا تھا۔ وہ سلیپر پہن کر ہینڈ بیگ اٹھا کر دیوانوں کی طرح دوڑتی ہوئی اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ پھر اسے اسٹارٹ کرکے بنگلے سے باہر نکل گئی۔

صبح صبح کا وقت تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھا۔ وہ آندھی طوفان کی رفتار سے ڈرائیو کررہی تھی۔ روڈ سگنل کی بھی پروا نہیں تھی۔ پروا تھی تو صرف اپنے محبوب کی... وہ پاسپورٹ کے ذریعے اس پر آئی مصیبت کو کسی حد تک ٹال سکتی تھی اور یہ جذبہ اسے دوڑائے چلا جارہا تھا۔

اس کی گاڑی ہوا سے باتیں کررہی تھی۔ ایسے ہی وقت جیسے پر کٹ گئے... زوردار آواز کے ساتھ گاڑی کے پچھلے دو پہیے برسٹ ہوئے تھے۔ اس نے فوراً ہی بریک لگائے۔ گاڑی کو سڑک کے کنارے روک کر باہر آکر دیکھا۔ دونوں پہیے ناکارہ ہوچکے تھے۔ وجہ جاننے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ جلدی میں تھی' یہ دیکھ نہیں پائی کہ وہ پہیے خود بخود برسٹ نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں فائر کرکے ناکارہ بنایا گیا تھا۔ یقیناً سائیلنسر لگے ہتھیار سے گولیاں چلائی گئی تھیں' اسی لیے فائرنگ کی آواز نہیں گونجی تھی۔

وہ تیزی سے پلٹ کر اگلی سیٹ کی طرف آئی۔ پھر ہینڈ بیگ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دور فٹ پاتھ کے قریب ایک ٹیکسی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی اس کی طرف

جانا چاہتی تھی۔ مگر ایسے ہی وقت کسی نے پیچھے سے آکر اسے دبوچ لیا۔ گرفت بہت مضبوط تھی۔ وہ پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ ایک ذرا گردن گھما کر دیکھنے کی کوشش کی۔ نہ جانے وہ کون اجنبی تھا؟ کیوں اس کا راستہ روک رہا تھا؟

وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی اس کے منہ پر ایک رومال جما دیا گیا۔ بے ہوشی کے اندھیروں میں ڈوبتے دل نے تڑپ کر اپنے محبوب کو پکارا۔ وہ اسے بچانا چاہتی تھی مگر خود ڈوب گئی تھی۔ اسے رہائی دلوانا چاہتی تھی مگر خود جکڑی گئی تھی۔

ایک رات پہلے محبوب کا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ فون پر محبوب سے بول رہی تھی۔ "بس یوں سمجھیں کہ آپ کا دل میری مٹھی میں ہے۔ اگر واپس نہ کیا تو آپ کی دھڑکنیں رک جائیں گی۔"

ہائے میرے محبوب! تیری آزادی کا گرین سگنل میرے پاس ہے۔

وہ گرین سگنل اب سرخ ہوگیا تھا۔ محبوب خان جہاں جاکر پھنسا تھا' وہاں سے زندگی کی طرف کوئی راستہ پلٹ کر نہیں آتا تھا۔

☆☆☆

محبوب کو گرفتار کرتے ہی اسے سیدھا ایک ٹارچر سیل میں پہنچایا گیا تھا۔ سب سے پہلے سوال کیا گیا۔ "تم کون ہو؟ انڈیا کیسے آئے ہو؟ کس راستے سے آئے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرکے یہاں آیا ہوں۔"

"ہوٹل کے کمرے میں تمہارا جو سامان تھا' اسے ضبط کیا گیا ہے۔ اس میں تمہارا پاسپورٹ نہیں ہے۔ تم یقیناً کسی چور راستے سے ہمارے دیش میں آئے ہو۔"

اس نے کہا۔ "میرا پاسپورٹ غلطی سے کلپنا جی کے پاس رہ گیا تھا۔ آپ ابھی انہیں کال کریں۔ وہ ابھی پاسپورٹ یہاں لے آئیں گی۔"

اسے کال کی گئی۔ معلوم ہوا' فون بند ہے۔ حکم صادر کیا گیا کہ کلپنا نے پاکستانی جاسوس کو پناہ دی تھی۔ اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہی تھی۔ لہٰذا اسے بھی گرفتار کیا جائے۔

را کے کارندوں نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا۔ پتا چلا' وہ موجود نہیں ہے۔ اسے ان مقامات پر ڈھونڈا گیا' جہاں وہ وقت گزارا کرتی تھی لیکن وہ کہیں نہیں تھی۔ یہ حقیقت کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔

سب کو یقین ہوگیا کہ وہ گرفتاری کے خوف سے روپوش ہوگئی ہے اور محبوب چور راستے سے ہندوستان آیا ہے۔

تب اس پر تشدد کا آغاز ہوا۔ پہلے تو عام طریقے سے لاتوں سے' ہاتھوں سے' ڈنڈوں سے پٹائی کی گئی۔ اس سے کہا گیا کہ وہ پاکستانی جاسوس ہونے کا اعتراف کرے۔

مگر وہ خوامخواہ ایک مجرم ہونے کا اعتراف نہیں کرسکتا تھا۔ وہ قسمیں کھا کر کہتا رہا کہ اپنے وطن سے کرکٹ میچ دیکھنے آیا ہے۔ جاسوس' دہشت گرد یا تخریب کار نہیں ہے۔

اس کے ہر انکار کے بعد تشدد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسے بھوکا رکھا گیا۔ الٹا لٹکا کر ڈنڈوں سے ہڈیوں پر اور بدن کے جوڑوں پر ضربیں لگائی گئیں۔ ایسا ظلم ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ چیختا چلاتا رہتا تھا۔ لیکن کوئی اس کی آہ و بکا سننے والا' اسے ظلم و ستم سے نجات دلانے والا نہیں تھا۔

اس کی چیخیں کلپنا تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ کہاں ہے؟ ایک نیم تاریک کمرے میں سونے، لیٹنے اور بیٹھنے کے لیے بیڈ اور کرسیاں تھیں۔ کھڑکیاں اور دروازے باہر سے بند رہتے تھے۔ اسے چیخنے چلانے کے قابل نہیں رکھا گیا تھا۔ پہلے تو وہ بے ہوشی کے باعث کچھ کمزور ہوئی تھی۔ پھر اسے اعصابی کمزوری کا ایک انجکشن لگایا گیا تھا۔ وہ بستر پر پڑی رہتی تھی۔

ایک نوجوان دو وقت آکر کھانا رکھ جاتا تھا۔ اسے بڑی حسرت سے دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کھاتی پیتی تھی' باتھ روم تک جاتی تھی۔ پھر کمزوری سے ہانپتی ہوئی بستر پر گر جاتی تھی۔ باہر تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے اس کے پاس فون نہیں تھا۔ بس ایک امید تھی کہ باپ اس کی عدم موجودگی سے پریشان ہوکر اسے تلاش کرے گا۔ پھر اپنے وسیع ذرائع اور اختیارات استعمال کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو ڈھونڈ نکالے گا۔

ہوٹل کے کمرے سے جو دستاویزات ملی تھیں' ان میں ایک خط تھا۔ کسی نے محبوب خان کو لکھا تھا۔ "جیسا کہ طے ہوچکا ہے' تم کرکٹ میچ دیکھنے کے بہانے آؤ گے۔ یہاں کلپنا کے ساتھ تمہاری رہائش کا جواز پیدا کیا جائے گا۔

"جب تم ائرپورٹ سے باہر آؤ گے تو کلپنا پر قاتلانہ حملے کا ڈراما پلے کیا جائے گا۔ تم ایک ہیرو کی طرح اسے قاتلانہ حملے سے بچاؤ گے۔ حملہ آور ہمارا آدمی ہوگا۔ کبھی گرفتار نہیں ہوگا۔ سیاسی نیتا ایس کے پجارا پر قاتلانہ حملے کا الزام لگایا جائے گا اور اس کی سیاسی ساکھ کو گرایا جائے گا۔"

اس خط کی تحریر سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ محبوب خان باقاعدہ پلاننگ کے مطابق کلپنا سے ڈرامائی انداز میں دوستی

کر کے اس کے ساتھ رہنے آیا ہے اور کلپنا محبوب کے ساتھ راتیں کالی کرتے ہوئے ایس کے پچارا کے سیاسی کیریئر کو تباہ کرنے والی ہے اور اس طرح اس کے باپ رمیش مکرجی کی سیاسی پوزیشن مضبوط ہونے والی ہے۔

کچھ روز پہلے کلپنا اور محبوب خان ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ ایسے وقت ایک چینل کی ٹیم ان کی موِوی بناتی ہوئی اچانک ہی آدھمکی تھی۔ اس ویڈیو میں یہ دیکھا گیا کہ کلپنا ان کی آمد پر اور ویڈیو بنانے پر اعتراض کر رہی ہے۔ یعنی یہ بھید کھل رہا تھا کہ وہ پاکستانی جاسوس کے ساتھ تنہائی میں رنگین لمحات گزارتی رہتی ہے۔

وہ تمام ثبوت محبوب خان کے خلاف تھے۔ یہ ثابت ہو رہا تھا کہ اس کے تعلقات کلپنا سے بہت پہلے سے تھے۔ اس بار الیکشن سے پہلے ایس کے پچارا کو سیاسی طور پر کمزور بنانے کے لیے اس پاکستانی کو کلپنا اور اس کے باپ رمیش مکرجی نے ڈرامائی انداز میں وہاں بلایا ہے۔

ایسے تمام شواہد کے پیشِ نظر محبوب خان پر تھرڈ ڈگری کے حربے آزمائے گئے۔ اس کی انگلیوں کو آہنی شکنجے میں کس کر پلاس نما آلے سے ناخن اکھاڑے گئے۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیختے چیختے بے دم ہو جاتا تھا۔ اس سے پوچھا جاتا تھا کہ اس کے ساتھ اور کتنے جاسوس اور تخریب کار پاکستان سے آئے ہوئے ہیں؟ وہ ان کے نام بتائے ورنہ مارا جائے گا۔

نہ وہ جاسوس تھا' نہ کسی تخریب کار کو جانتا تھا۔ اپنی بے گناہی کی قسمیں کھانے کے سوا اور کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ وہ اذیتیں پہنچانے کی انتہا کر رہے تھے۔ اسے بجلی کے جھٹکے پہنچا رہے تھے۔ ایسی درندگی اور ناقابلِ برداشت اذیتوں کے باعث وہ نیم پاگل ہو گیا تھا۔ بہت کم ہوش و حواس میں رہتا تھا۔ اپنے آپ کو اور دنیا کو رفتہ رفتہ بھولتا جا رہا تھا۔

اس کی حالتِ زار پوچھ رہی تھی کہ دو پڑوسی ممالک ایک دوسرے پر اعتبار کیوں نہیں کرتے؟ خصوصاً ہندوستانیوں کو کب تک اس بات کا غصہ رہے گا کہ مسلمانوں نے بھارت کے ٹکڑے کر کے پاکستان بنایا ہے؟ یہ لوگ پاکستان کو کب تسلیم کریں گے؟

اور جب تک تسلیم نہیں کریں گے' تب تک وہ محبت سے آنے والے اور کھیل تماشوں میں حصہ لینے والے پاکستانیوں پر جھوٹے الزامات عائد کر کے انہیں جیل میں ڈالتے رہیں گے... بڑی درندگی سے ٹارچر کرتے ہوئے اپنا غصہ اتارتے رہیں گے۔

محبوب خان بلک بلک کر کہتا رہا کہ پاکستانی سفارت خانے سے معلومات حاصل کی جائیں گی تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جاسوس اور تخریب کار نہیں ہے۔ ایک پُرامن شہری ہے۔ اس کے پاسپورٹ اور ویزا کا ریکارڈ سفارت خانے سے حاصل ہو جائے گا۔ لیکن انہوں نے سفارت خانے کو یہ خبر تک نہ ہونے دی کہ ایک پاکستانی نوجوان کو جاسوسی کے الزام میں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔

کلپنا ایک نیم تاریک کمرے میں اپنے محبوب کو یاد کرتی رہتی تھی۔ بھگوان سے پرارتھنا کرتی تھی کہ محبوب خان گرفتاری کے بعد کسی مصیبت میں نہ پڑے۔ راوالے اس پر ظلم نہ کریں۔ وہ بس یونہی اپنے دل کو تسلیاں دیتی رہتی تھی۔

اور محبوب تو ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ کبھی ہوش میں رہتا تو گھر کے ایک ایک فرد کو یاد کرتا۔ پھر کلپنا اس کے خیالوں میں آجاتی۔ اس سے پوچھتی۔ ''یہ انسان سرحدیں کیوں بناتا ہے؟ تم نے اپنے ملک کی سرحد پار کی۔ میرے پاس آئے۔ میں نے اپنے دھرم کی سرحد پار کی اور ہندو ہو کر مسلمان کی دھڑکنوں سے لگ گئی۔

''اب دو ملکوں کی بنیادی نفرت ہمیں جدا کر رہی ہے۔ یہ لوگ سیاسی انتقام لینے کے لیے دلوں کا خون کیوں کرتے ہیں؟ میرے محبوب! کیا ہم کبھی مل پائیں گے؟''

وہ روز صبح اپنے گھر والوں سے فون پر باتیں کیا کرتا تھا۔ دوسری صبح اس کی کال نہیں آئی تو باپ نے اس کے فون نمبر پنچ کیے۔ تب یہ معلوم ہوا کہ اس کا نمبر آف ہے۔

باپ اور بھائی کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے کئی بار نمبر پنچ کیے۔ ہر بار وہی ریکارڈنگ سنائی دیتی رہی۔ چھوٹی بہن نے تڑپ کر پوچھا۔ ''ابو! بھائی کہاں ہیں؟ ان کا فون بند کیوں ہے؟ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کسی طرح ان کی آواز سنیں۔ معلوم کریں' وہ خاموش کیوں ہیں؟''

انہوں نے سفارت خانے کے دفتر میں پہنچ کر کہا۔ ''ہمارا بیٹا محبوب خان کرکٹ میچ دیکھنے انڈیا گیا ہے۔ آج صبح سے اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے۔ فون بند ہو گیا ہے۔ ہم اس کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ پلیز... کسی طرح اس سے رابطہ کرائیں۔''

سرکاری دفاتر میں بے حسی عام ہو گئی ہے۔ انسانی جذبات کو اور رشتوں کی اہمیت کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس دفتر سے جواب ملا۔ ''ہم کیا جانیں' آپ کا بیٹا انڈیا جا کر کہاں عیاشی کرتا پھر رہا ہے؟ آج کل کے نوجوان بے پروا ہوتے ہیں۔ گھر سے نکلتے ہی والدین کو بھول جاتے ہیں۔

آپ انتظار کریں۔ آج اس نے فون نہیں کیا ہے تو کل کر لے گا۔''

انہوں نے صبر کیا۔ رات سے صبح ہو گئی۔ بیٹے کی طرف سے کوئی فون کال نہیں آئی۔ وہ دوسرے دن پھر سفارت خانے پہنچے تو پوچھا گیا کہ وہ کب انڈیا گیا ہے؟ اس کا پاسپورٹ' ویزا اور دیگر متعلقہ کاغذات کی فوٹو کاپیاں لائی جائیں۔ پھر کچھ معلوم کیا جائے گا۔

انہیں بھارتی سفارت خانے سے بھی یہی جواب مل رہا تھا۔ ایک ملک سے دوسرے ملک جانے والے اپنے سفری کاغذات کی فوٹو کاپیاں اپنے گھروں میں چھوڑ کر نہیں جاتے۔ ان کا ریکارڈ دو ممالک کے سفارت خانوں میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ فائلیں ڈھونڈ کر اپنے فرائض انجام دینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ دیارِ غیر جانے والوں کے مسائل حل کرنے کے سلسلے میں ہمیشہ کوتاہی برتی جاتی ہے۔

انہوں نے تیسرے دن ایک مشہور و معروف ٹی وی چینل سے رابطہ کیا۔ انہیں اپنا دکھڑا سنایا تو دوسرے دن دنیا والوں کے سامنے یہ بات آئی کہ ایک پاکستانی نوجوان انڈیا جا کر لاپتا ہو گیا ہے اور متعلقہ ادارے اس کا کھوج نہیں لگا رہے ہیں۔ تب دونوں ملکوں کے سفارت خانے حرکت میں آگئے۔ انہوں نے انکوائری کی تو معلوم ہوا کہ محبوب خان گم نہیں ہوا ہے۔ وہ قانونی گرفت میں ہے۔

اس پر یہ الزام تھا کہ وہ جاسوس اور تخریب کار ہے۔ اگرچہ باقاعدہ پاسپورٹ کے ذریعے آیا تھا لیکن یہاں آتے ہی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے اپنا پاسپورٹ کہیں پھینک کر روپوش ہو گیا تھا۔ اسے ایک خفیہ پناہ گاہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔

پاکستان کی طرف سے اسے ایک پُرامن شہری کہا جا رہا تھا۔ اسکول سے لے کر کالج اور کھیل کے میدان تک اس کی نیک نامی کا ریکارڈ پیش کیا جا رہا تھا۔

اس کے جواب میں بھارتی پولیس اور انٹیلی جنس کہہ رہی تھی کہ محبوب خان کے خلاف آڈیو' ویڈیو اور تحریری دستاویزات ٹھوس ثبوت کے طور پر موجود ہیں۔ بھارتی عدالت میں اس کا مقدمہ چلے گا اور بھارتی قانون کے مطابق اسے سزا دی جائے گی۔

یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ قانونی فیصلے سے پہلے ہی اس پاکستانی سے غیر انسانی سلوک کیا گیا ہے اور انتہائی درندگی سے نیم پاگل بنا دیا گیا ہے۔

رمیش مکرجی کو دیر سے اطلاع ملی کہ اس کی بیٹی لاپتا

ہو گئی ہے۔ وہ لندن میں تھا۔ اس نے فون پر ایس کے پچارا کو غصہ دکھایا۔ اس سے پوچھا۔ ''میری بیٹی کہاں ہے؟''

اس نے کہا۔ ''تمہاری بیٹی گھر میں ہو گی یا اس مسلمان کے ساتھ کہیں منہ کالا کر رہی ہو گی۔''

''بکواس مت کرو۔ پہلے تم نے اس پر قاتلانہ حملہ کروایا' اب اغوا کرایا ہے۔ اگر اس کے بدن پر ہلکی سی بھی خراش پڑے گی تو میں تمہاری بیٹیوں کا حشر کر دوں گا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''غصے میں انسان اسی طرح چیلنج کرتا ہے اور بے تکی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میری بیٹیوں پر آنچ نہیں آئے گی۔ تم اپنی بیٹی کا ماتم کرتے رہو۔''

''میں جانتا ہوں' تم فون پر سچ بولنے کی غلطی نہیں کرو گے۔ کہیں ملاقات کرو۔ میں کل صبح کی فلائٹ سے آرہا ہوں۔''

''ہزار بار آؤ۔ میں خود تمہیں ریسیو کرنے کے لیے ائرپورٹ آؤں گا۔ آخر ہم اس دیش کے نیتا ہیں۔ مل بیٹھ کر دیش کی بھلائی کے لیے کچھ کریں گے۔''

رمیش مکرجی ایک طویل سیاسی جنگ لڑنے کے بعد ایس کے پچارا سے ہار ماننے والا تھا۔ بیٹی جب تک واپس نہ ملتی' تب تک وہ اس کے خلاف کوئی چال نہیں چل سکتا تھا۔

وہ اپنے دیش سے بہت دور لندن میں تھا۔ اس کے پی اے نے کلپنا کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔ رمیش کے آدمی اسے تلاش کر رہے تھے۔ وہ صبح کی فلائٹ سے وہاں پہنچا تو ائرپورٹ پر پچارا نے اسے ویلکم کہا۔ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ وہ پچارا کی ائرکنڈیشنڈ کار میں آکر بیٹھ گیا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ دروازے اندر سے لاک کر دیے گئے۔

پچارا نے کہا۔ ''ہماری باتیں کوئی نہیں سن سکتا۔ میں اعتراف کرتا ہوں' تمہاری بیٹی میرے پاس ہے۔''

رمیش نے بے بسی سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''اطمینان رکھو۔ وہ آرام سے ہے۔ اگرچہ میں عیاش ہوں اور تمہاری بیٹی حسن و شباب کا چلتا پھرتا جادو ہے۔ اس کے باوجود میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔''

''میں کیسے یقین کر لوں؟''

''میں عورت سے زیادہ سیاست کو اہمیت دیتا ہوں۔ سیاسی عروج حاصل ہوتا رہے تو دنیا کی حسین ترین عورتیں میسر آتی رہتی ہیں۔''

''میں بیٹی سے بات کروں گا' تب یقین کروں گا۔''

پچارا نے اپنے فون پر نمبر پنچ کیے۔ اسے کان سے لگایا

پھر رابطہ ہونے پر کہا۔ ''بیٹے اجے! اونٹ پہاڑ کے نیچے آگیا ہے۔ کلپنا کے پاس جاؤ اور فون اسے دو۔''

رمیش بڑی بے چینی سے فون کو دیکھ رہا تھا۔ پچارا نے کہا۔ ''وہ میرے بیٹے کی نگرانی میں ہے۔ ابھی اس سے بات کر سکو گے۔''

پھر اس نے کلپنا کی آواز سن کر کہا۔ ''اپنے باپ سے بات کرو۔''

اس نے فوراً ہی فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''کلپنا! میری جان... میں بول رہا ہوں۔ تم کیسی ہو بیٹی!''

باپ کی آواز سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بولی۔ ''میں جیسی بھی ہوں، محبوب کہاں ہے؟''

''محبوب کو نرک میں جانے دو۔ اپنی بات کرو۔''

''میں بھی نرک میں جاؤں گی۔ اسے خیر خیریت سے دیکھوں گی پھر آپ سے اپنی بات کروں گی۔''

''تمہیں اب بھی عقل نہیں آئی۔ میں نے سمجھایا تھا' اس پاکستانی سے دور رہو مگر تم نے بات نہیں مانی۔ اب دیکھو! تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

''ڈیڈ! میں چشم تصور سے دیکھ رہی ہوں۔ محبوب کے ساتھ ٹارچر سیل میں کیا ہو رہا ہوگا...؟''

''بھگوان کے لیے تم اپنی فکر کرو کہ ابھی تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

''میں اپنے دیش میں' اپنی دھرتی پر ہوں۔ وہ پردیس میں ہے۔ پڑوسی ہونے کے ناتے ہمارا مہمان ہے اور آپ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں' وہ میرے دل کا ارمان ہے۔ میری جان ہے۔ میں اس کے ساتھ جیوں گی' ورنہ مر جاؤں گی۔''

باپ نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اوہ گاڈ! تم تو اس کے لیے پاگل ہو رہی ہو۔ ابھی اتنا بتا دو کہ کسی نے بُری نیت سے تمہیں ہاتھ تو نہیں لگایا ہے؟''

''نہیں۔ پچارا کا بیٹا اجے یہاں آتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ باپ بیٹے دشمن ہیں مگر شرافت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ اپنے تمام ذرائع اور اختیارات کام میں لا کر محبوب کو رہا کرائیں۔''

پچارا نے کہا۔ ''بات مختصر کرو۔''

وہ بیٹی سے بولا۔ ''ابھی میں تمہاری رہائی کے لیے سودا کر رہا ہوں۔ زیادہ بات نہیں کر سکوں گا۔ جلد ہی ہماری ملاقات ہوگی۔''

پچارا نے اس سے فون لے کر اسے بند کر دیا پھر پوچھا۔ ''بولو... ! بیٹی کی رہائی کے لیے کیا کرو گے؟''

اس نے پوچھا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''تم میرے علاقے سے الیکشن نہیں لڑو گے۔ باقی دوسرے امیدواروں کو میں آسانی سے مات دے سکوں گا۔''

رمیش مکرجی اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔ ''اس پہلو سے سوچو کہ بیٹی ایک مسلمان کے ساتھ بدنام ہو رہی ہے۔ ہندو ناراض ہیں' اس بار تمہیں کم سے کم ووٹ ملیں گے۔''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ ''بیٹی کی نادانی مجھے کمزور بنا رہی ہے۔''

پچارا نے کہا۔ ''اب اس کی گمشدگی یہ ثابت کر رہی ہے کہ اس نے ایک پاکستانی جاسوس کو اپنے گھر میں رکھا تھا اور گرفتاری کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئی ہے۔''

''مانتا ہوں' تم نے اسے اغوا کر کے میری سیاسی پوزیشن بہت کمزور کر دی ہے۔ پھر بھی میں دوسرے علاقے سے الیکشن لڑوں گا۔ تمہارے مقابل نہیں رہوں گا۔ کلپنا کو واپس کر دو۔''

''کیا مجھے نادان بچہ سمجھتے ہو؟ بیٹی کو حاصل کرتے ہی پھر سے اڑ جاؤ گے۔ صرف تین ماہ کی بات ہے۔ الیکشن کا نتیجہ برآمد ہوتے ہی' کامیابی ملتے ہی اسے تمہارے گھر بھیج دوں گا۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا وہ تین ماہ تک تمہاری قید میں رہے گی؟''

''مجبوری ہے۔ میں تم پر بھروسا نہیں کروں گا۔''

وہ کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ ''اب یہاں سے جاؤ۔ میرے خلاف زہر اگلو گے تو بیٹی کی لاش بھی نہیں ملے گی۔ میرے مقابل نہیں آؤ گے تو وہ گھر آجائے گی۔ تین ماہ تک کیلنڈر دیکھتے رہو۔''

''میں بہت مجبور ہو کر تمہاری بات مان رہا ہوں۔ مگر اتنی سہولت دو کہ فون پر بیٹی سے بات کرتا رہوں۔ اسے بھی اطمینان ہوگا کہ تین ماہ بعد رہائی پانے والی ہے۔''

''تین ماہ میں تین بار اس سے بات کر سکو گے۔ اب جاؤ، مجھے اور بھی مصروفیات ہیں۔''

وہ سر جھکا کر کار سے باہر آگیا۔ انہوں نے کلپنا کی سلامتی اور رہائی کی باتیں کی تھیں۔ ان کی نظروں میں محبوب خان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اسے سیاسی بساط پر ایک مہرے کی طرح چلا گیا تھا اور بساط کے خانے میں مات کھانے کے

لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔

مگر کلپنا اسے چھوڑنے والی نہیں تھی۔ اگرچہ اپنے محبوب کی سلامتی اور رہائی کے لیے کچھ کر نہیں سکتی تھی لیکن اس کی محبت سے باز آنے والی بھی نہیں تھی۔ پچارا کا بیٹا اجے کھڑکی کھول کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اب سے پہلے بھی بار ہا دیکھ چکا تھا۔ وہ ایسی تھی کہ اس کے دل میں دھڑکتی رہتی تھی اور وہ اسے نظر انداز کر کے اپنے دل پر جبر کرتا آرہا تھا۔

اس لیے جبر کر رہا تھا کہ باپ کی نیت کو سمجھتا تھا۔ اس نے بیٹے سے کہا تھا۔ ''خبردار! اسے ہاتھ نہ لگانا۔ میں نے اسے اپنے لیے رکھا ہے۔ الیکشن تک پرہیز کرتا رہوں گا۔ اس کا باپ مکرجی اس سے فون پر باتیں کرتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کہ پچارا شرافت کا ثبوت دے رہا ہے۔ مگر الیکشن میں کامیابی کے بعد میں اپنی بات اور شرافت سے پھر جاؤں گا۔ اس خوبصورت بلا نے اپنے پیچھے بہت دوڑایا ہے۔ پریس کانفرنس میں میرے خلاف زہر اگلتی رہی ہے۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں... اس کی بوٹی بوٹی سے کھیلتا رہوں گا۔''

اجے اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''یہ مجھے کیوں نہیں مل سکتی؟ میں جوان ہوں۔ یہ میرے برابر کی ہے۔ پتا جی کو اپنا بڑھاپا کیوں دکھائی نہیں دیتا؟''

کلپنا نے سر اٹھا کر دیکھا تو کھڑکی پر نظر پڑتے ہی چونک گئی۔ وہاں اجے کھڑا اسے تک رہا تھا۔ کوئی کسی کے اندر کی بات نہیں جانتا۔ لیکن لڑکیاں آنکھ ملتے ہی دیکھنے والے کے ارادوں کو بھانپ لیتی ہیں۔ کلپنا نے سوچا' باپ بیٹے کی نظریں ایک جیسی ہیں۔ دونوں ہی ہوس کے کاسے میں جوانی کی بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آکر بولی۔ ''کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا دروازہ کھول کر نہیں آسکتے؟''

''پتا جی نے کہا ہے' میں دور ہی دور سے تمہاری نگرانی کروں۔''

''کیا نزدیک آؤ گے تو جل جاؤ گے؟''

''دل کی بات بولوں؟''

''ہاں۔ بولو؟''

''جل رہا ہوں۔ تمہیں چھو کر راکھ ہو جانا چاہتا ہوں۔''

''میں نے آج تک کسی کو چھونے کی اجازت نہیں دی۔''

''وہ دن آئے گا' جب پتا جی تمہیں چھونے کی حد سے گزر جائیں گے۔''

''اور تم کھڑکی سے دیکھتے رہ جاؤ گے؟''

اس نے طنز کا نشتر چبھویا تھا۔ وہ بے چین ہو کر بولا۔ ''میرا دل تمہیں پانے کی ضد کر رہا ہے۔ میں سوچتا رہ جاتا ہوں کہ کیا کروں؟''

''سوچتے ہو کہ باپ کے رقیب بنو گے تو وہ گھر سے نکال دے گا۔ اس کی دولت اور جائداد دوسرے بھائیوں کو ملے گی۔''

''ہاں۔ یہی ہوگا۔''

''میرے ڈیڈی تمہارے باپ سے زیادہ دولت مند ہیں اور میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ جو میرا دل جیت لے گا' وہ ان کی تمام دولت اور جائداد کا مالک بن جائے گا۔''

''کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

''جو جیالا ہوگا' محبوب خان کو قانون کے شکنجے سے نکالے گا، میں اس سے شادی کروں گی۔''

''تم فون پر اپنے ڈیڈی سے بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ محبوب خان کو رہائی دلائیں۔ تمہارا دل اس مسلمان پر اٹکا ہوا ہے۔ پھر مجھ سے شادی کیسے کرو گی؟ کرو گی بھی تو دل سے نہیں کرو گی۔''

''محبوب کو نئی زندگی ملے گی۔ وہ اپنے وطن واپس چلا جائے گا تو میں دل سے تمہاری قدر کروں گی۔ دلوں میں تعصب رکھنے والے افسران اس پر ظلم کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ ثابت کرنا چاہیے کہ تمام ہندوستانی ظالم نہیں ہیں۔ وہ پاکستان سے آنے والوں کو مہمان سمجھ کر انہیں مان دیتے ہیں اور اپنی دھرتی پر تحفظ فراہم کرتے ہیں۔''

''تم درست کہہ رہی ہو۔ ہم سچے ہندوستانی کی طرح محبوب خان کو جھوٹے الزام سے بری کرا سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں' پتا جی نے تمہیں اس کے ساتھ بدنام کرنے کے لیے کیسی کیسی چالیں چلی ہیں اور اسے کس طرح پاکستانی جاسوس اور تخریب کار ثابت کیا ہے؟''

وہ کھڑکی سے ہاتھ بڑھا کے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''بھگوان کے لیے' کسی طرح ثابت کر دو کہ وہ تمام ثبوت جھوٹے ہیں۔''

کلپنا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔ فاصلہ مٹ گیا تھا۔ اجے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی نرمی اور گرمی کو دور تک محسوس کرنے لگا۔

☆☆☆

محبوب خان پر جھوٹے الزامات اور گرفتاری کوئی نئی

بات نہیں تھی۔ اب سے پہلے بھی کئی بار پاکستانیوں کو جاسوس اور تخریب کار کہہ کر ان پر مقدمہ چلائے بغیر مظالم ڈھائے گئے ہیں۔ ٹارچر سیل میں ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا گیا ہے۔

کتنے ہی پاکستانی وہاں کی جیلوں میں مارے گئے۔ سفارتی سطح پر بارہا احتجاج کیا گیا۔ دونوں ملکوں کے درمیان قیدیوں کے تبادلے بھی کیے گئے۔ لیکن بے گناہ پاکستانی جب بھارتی جیل سے رہا ہو کر آئے تو وہ اپنی صحت اور سلامتی ہار چکے تھے۔ بیمار اور ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے۔

محبوب خان کی رہائی کے لیے سفارتی سطح پر معاملات طے نہیں ہو رہے تھے۔ کہا جا رہا تھا کہ وہ مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ہندوستان آیا تھا۔ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں۔ لہٰذا اسے رہا نہیں کیا جائے گا۔ اس کی رہائی کے لیے پاکستان قانونی جنگ نہیں لڑ سکتا تھا۔

اور کلپنا ہر قیمت پر اسے ظالموں سے نجات دلانے کا عزم کر چکی تھی۔ اسی لیے اس نے پچارا کے بیٹے کو اپنی قیمت اور اہمیت بتائی تھی۔ وہ باپ سے بغاوت کر کے اسے حاصل کر سکتا تھا اور اس کے باپ کی دولت و جائداد میں حصے دار بن سکتا تھا۔

یہ بہت بڑی آفر تھی۔ دولت بھی ملنے والی تھی اور جوانی کی سوغات بھی... اس رات کلپنا کی نگرانی کے لیے اجے کے بڑے بھائی کی ڈیوٹی تھی۔ وہ سب ہی بڑے باپ کے بیٹے تھے۔ نیند کے وقت جاگتے نہیں تھے۔ فرائض کی ادائیگی کے لیے ملازموں پر بھروسا کرتے تھے۔ وہ معمول کے مطابق امپورٹڈ وھسکی پی کر سو گیا اور ملازم چوکیدار جاگتا رہا۔

اجے اپنے بھائی کی عادت جانتا تھا کہ وہ عیاش اور آرام طلب ہے۔ کلپنا ان کے باپ کا مال تھی۔ اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس لیے حلق تک بھر کر سو گیا تھا۔

تب آدھی رات کے بعد اجے نے چوکیدار پر پیچھے سے حملہ کیا۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔ جواباً حملہ نہ کر سکا۔ یہ نہ دیکھ سکا کہ کس نے اس کے سر کے پچھلے حصے پر قیامت ڈھائی ہے؟ اس طرح وہ کلپنا کو وہاں سے نکال کر لے گیا۔

دوسری صبح ایس کے پچارا کو معلوم ہوا کہ اس کا ووٹ بینک بڑھانے والی چڑیا پنجرے سے اڑ گئی ہے۔ اس نے بڑے بیٹے کو گالیاں دیں، اسے جوتے مارے پھر گھر سے نکال دیا۔ لیکن جو نکل گئی تھی، وہ اس کے ہاتھ آنے والی نہیں تھی۔

کلپنا نے فون کے ذریعے اپنے باپ کو اطلاع دی کہ وہ ایس کے پچارا کی قید سے آزاد ہو گئی ہے۔

رمیش نے پوچھا۔ ”تم کہاں ہو؟ فوراً گھر آؤ۔“

اس نے کہا۔ ”میری قبل از وقت گرفتاری ضمانت حاصل کریں۔ عدالت میں اس الزام کو غلط ثابت کریں کہ میں نے ایک پاکستانی جاسوس کو پناہ دی تھی اور اس کے لیے لازمی ہے کہ محبوب خان پر عائد کیے گئے جھوٹے الزامات کو بھی غلط ثابت کیا جائے۔ میں الزامات سے بری ہونے کے بعد منظرِ عام پر آؤں گی۔“

رمیش برسرِ اقتدار پارٹی کا لیڈر تھا۔ اس نے اپنے اختیارات اور ذرائع استعمال کیے۔ بیٹی کو قانونی تحفظ فراہم کیا۔ ایس کے پچارا کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ اس نے کلپنا کو اغوا کیا ہے اور اسے کہیں حبسِ بے جا میں رکھا ہے۔

کلپنا ایک مکان میں اجے کے ساتھ تھی۔ وہ چھپ کر اس سے ملنے آتا تھا اور یہ بتاتا رہتا تھا کہ محبوب خان کے خلاف جو ثبوت ہیں، انہیں غلط ثابت کرنے کے لیے وہ کیا کر رہا ہے؟ اسے اپنے باپ کا اعتماد حاصل تھا۔ وہ گھر کا بھیدی تھا۔ یہ جانتا تھا کہ محبوب کو جاسوس ثابت کرنے کے لیے اس کے باپ پچارا نے وہ خط لکھوایا تھا اور وہ جعلی خط کس نے لکھا تھا...؟

اجے دل و جان سے کلپنا کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس نے کلپنا کے باپ کو اس جعلی خط لکھنے والے کے پاس پہنچا دیا۔ جب اس جعلساز پر تھرڈ ڈگری کے حربے استعمال کیے گئے تو اس نے اپنی جعلسازی کا اعتراف کر لیا۔ یہ ٹھوس گواہی مل گئی کہ وہ خط محبوب خان کے خلاف ایک گہری سازش تھی۔

جو لوگ ہوٹل کے کمرے میں اچانک گھس آئے تھے، کلپنا اور محبوب کی ویڈیو فلم اتار رہے تھے، اجے نے انہیں بھی بے نقاب کیا کہ ان کا تعلق کسی ٹی وی چینل سے نہیں تھا۔ وہ ایس کے پچارا کی آشا نامی ایک داشتہ کے زرخرید آلۂ کار تھے۔

کئی ماہ کی جدوجہد کے بعد محبوب خان کے خلاف کیس کمزور ہو گیا۔ بھارتی پولیس اور انٹیلی جنس والے اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ قیدیوں کا تبادلہ کیا جائے۔ پاکستان ایک بھارتی قیدی کو ان کے حوالے کرے۔ اس کے بدلے وہ محبوب کو بارڈر پر پہنچا دیں گے۔

یہ اتنی بڑی کامیابی تھی کہ کلپنا خوشی سے چیخیں مارتی ہوئی اجے کے قدموں میں گر پڑی۔ اس کے پیروں سے لپٹ کر رونے لگی۔ وہ محبوب کی رہائی کے لیے جی جان سے کوششیں کرتی رہی تھی۔ یہ یقین نہیں تھا کہ اسے ٹارچر سیل کی

دلدل سے نکال سکے گی۔ اجے کی دیانت داری اور جدوجہد نے ناممکن کو ممکن بنا دیا تھا۔

وہ رات کو چھپ کر اس سے ملنے آیا تھا۔ اس نے کلپنا کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں خوشخبری سنانے آیا ہوں۔ محبوب خان کو رہائی ملے گی، تم اسے دیکھ سکو گی، اس سے مل سکو گی۔ اب چھپنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے ڈیڈی کے پاس جاؤ، وہ تمہیں محبوب سے ملائیں گے۔“

کامیابی و کامرانی اور مسرت آسانی سے نہیں ملتی۔ ان کے حصول تک کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اچانک ہی رات کے سناٹے میں فائر کی آواز گونجتی ہوئی آئی۔ اس کے ساتھ ہی اجے کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ ایک گولی اس کی ٹانگ میں آ کر لگی تھی۔

کلپنا نے سہم کر دیکھا۔ دروازے پر ایس کے پچارا کھڑا ہوا تھا۔ وہ بیٹے کو غصے اور نفرت سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”آستین کے سانپ! تُو نے باپ کو راج نیتی کی اونچائی سے ذلت کی پستی میں گرا دیا۔ آج میں تیرا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوں تو یہ بھید کھل رہا ہے۔ تھو ہے تجھ پر... ایک عورت نے تجھے الو بنا دیا۔“

اجے نے کراہتے ہوئے کہا۔ ”عورت کی ہوس نے مجھ سے زیادہ آپ کو الو بنایا ہے۔ اسے بیٹی یا بہو بنانا چاہیے لیکن آپ کی برہنہ آنکھیں اسے بے لباس دیکھتی ہیں۔ اگر میں کہتا کہ اسے گھر کی عزت بنانا چاہتا ہوں تو آپ کبھی راضی نہ ہوتے۔ جس طرح بھیا کو گھر سے نکالا ہے، مجھے بھی نکال دیتے۔“

”میں ابھی اس دنیا سے تجھے نکال سکتا ہوں مگر نہیں... آخر بیٹا ہے۔ جان سے نہیں ماروں گا۔ اپاہج بنا کر، گھر کا کتا بنا کر رکھوں گا۔“

وہ کلپنا کو نشانے پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”مرنا تو تجھے چاہیے۔ تو نے مجھے بہت دوڑایا ہے۔ بہت ذلیل کیا ہے۔ چل یہ کپڑے اتار... ماڈلنگ کی دنیا میں تیرے حسن و شباب کی بڑی چکا چوند ہے۔ جاتے جاتے میرے بیٹے کو بھی دکھا دے، اسے جتا دے کہ جس سندرتا کی خاطر باپ سے غداری کی ہے، اسے دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ حاصل نہیں کر پائے گا۔“

وہ کلپنا کے سامنے آ کر ڈھال بن کر بولا۔ ”پتا جی! شرم کرو۔ جسے آپ کی بہو بنانا چاہتا ہوں، اسے بے لباس ہونے کو کہہ رہے ہو۔ کیا ہمارے خاندان میں تہذیب، شرافت اور شرم و حیا نہیں ہے؟ آپ جانور کیوں بن رہے ہیں؟“

اس نے اجے کے پیروں کے پاس گولی چلائی پھر کہا۔ ”دوسری گولی ہمیشہ کے لیے تیرا منہ بند کر دے گی۔ اس نے تجھے الو بنا کر میرا سیاسی کیریئر ختم کر دیا۔ تو سامنے سے نہیں ہٹے گا تو میں تم دونوں کو نرک میں پہنچا دوں گا۔“

اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ زخمی سانپ کی طرح پھنکار رہا ہے۔ ڈسنے سے باز نہیں آئے گا اور بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کلپنا کی موت اٹل تھی۔ اسے بچانے کی صورت میں اجے بھی موت کے گھاٹ اترنے والا تھا۔

جب موت آتی ہے تو آ ہی جاتی ہے۔ کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ٹالنے والا تو بس وہی ایک محافظ اور پروردگار ہے۔ وہ نہ چاہے تو حیرت انگیز طور پر بازی پلٹ جاتی ہے۔

اچانک ہی بجلی چلی گئی۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ پچارا نے تاریکی میں اندھی گولی چلائی۔ پھر اس کے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے۔ بیٹے نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ وہ دونوں فرش پر گرے۔ ایک ریوالور دونوں کی گرفت میں تھا۔ وہ تاریکی میں ایک دوسرے کو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ان لمحات میں صرف ریوالور اہم تھا... بہت اہم تھا اور ان کے درمیان اپنی اہمیت جتا رہا تھا۔

کلپنا تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی ناکام کوششیں کر رہی تھی۔ اسے صرف ان کے ہانپنے کی اور چیزیں گرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ ایک دم سے سہم کر اچھل پڑی۔

گولی چلنے کی آواز نے چیخ کر کہا کہ کام تمام ہو چکا ہے۔

گہری خاموشی چھا گئی۔ تاریکی اور سناٹے میں وہ اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہی تھی۔ ”کیا ہوا...؟“

”کون گیا...؟ کون رہ گیا...؟“

ان میں سے ایک ہمیشہ کے لیے چپ ہو گیا تھا اور دوسرا ہانپ رہا تھا۔ کلپنا نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔ ”اجے!“

جواب میں رونے کی آواز سنائی دی۔ شاید باپ پچھتا رہا تھا۔ بیٹے کو کھو کر رو رہا تھا یا بیٹا اپنے باپ کی میت پر آنسو بہا رہا تھا۔

کلپنا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پھر آواز دی۔ ”اجے...!“

تب اس نے بڑے کرب سے کراہتے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ میں زندہ ہوں۔ ہے بھگوان! یہ کیا ہو گیا۔ میں نے پتا جی کو مار ڈالا... میں کیا کرتا؟ مجبور ہو گیا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو وہ تمہیں مار ڈالتے۔ جاؤ کلپنا! فوراً یہاں سے جاؤ۔ پولیس کی

وقت بھی یہاں آ جائے گی۔"

وہ آواز کی سمت دونوں ہاتھوں سے راستہ ٹٹولتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ "کوئی بات نہ کرو۔ کسی پر اپنی موجودگی ظاہر نہ کرو۔ فوراً یہاں سے جاؤ۔ میں تمہاری بات مانتا رہا، اب تم مانو۔ جاؤ یہاں سے..."

"میرا دل نہیں مانتا۔ تمہیں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟"

"میں تم سے ملوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں' کل تم سے ملوں گا۔ بھگوان کے لیے میری بات مانو۔ یہاں سے چلی جاؤ۔"

اس نے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ مکان سے نکل گئی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ جو سوچا نہیں تھا' وہ ہو گیا تھا۔ ویسے ایک بدترین بلا ٹل گئی تھی۔

☆☆☆

نئی زندگی اور نئی مسرتوں کا سورج طلوع ہوا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ سینٹرل جیل میں آئی۔ جیلر کے آفس میں محبوب خان کی رہائی کے کاغذات پر دستخط ہو رہے تھے۔ پاکستانی سفارت خانے کا ایک عہدے دار قانونی کارروائیوں پر عمل کر رہا تھا۔

کلپنا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ محبوب کسی بھی لمحے آہنی سلاخوں سے نکل کر نگاہوں کے سامنے آنے والا تھا۔

انتظار کے لمحات خواہ کتنے ہی طویل ہوں' گزر ہی جاتے ہیں۔ جب وہ نگاہوں کے سامنے آیا تو کلپنا کا کلیجا دھک سے رہ گیا۔

وہ اپنے پیروں سے چل کر نہیں آ رہا تھا۔ ایک معذور کی طرح اسٹریچر پر پڑا ہوا تھا۔ اسے اٹھا کر لایا جا رہا تھا۔

وہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ قریب سے دیکھا تو ایک دم سے چیخ مار کر رونے لگی۔ محبت کا وہ تاج محل ایک کھنڈر بن چکا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچا لگ رہا تھا۔

چہرہ بھی بدل سا گیا تھا۔ اس قدر اذیتیں پہنچائی گئی تھیں۔ اتنی بار بجلی کے جھٹکے دیے گئے تھے کہ سر کے بال اڑ گئے تھے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ رخساروں کی ہڈیاں.... ابھر گئی تھیں۔ ہونٹ سوکھ کر پپڑی ہو گئے تھے۔ چھکے مارنے والا انڈر نائنٹین کا کھلاڑی کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے تاج محل کے دیس میں آیا تھا اور عبرت کا نشان بن کر جا رہا تھا۔

کلپنا نے روتے ہوئے آواز دی۔ "محبوب... میرے محبوب! تمہاری کلپنا آئی ہے۔ آنکھیں کھولو۔"

اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ ہرے رام ہرے کرشنا کی نگری میں ایک محبت کی ماری نظر آئی۔ اس کی محبت اس کی میزبانی بہت مہنگی پڑی تھی۔

اس بیچاری نے پیار کا حق ادا کیا تھا۔ لیکن ادائیگی ناحق گئی تھی۔ محبوب کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ اسے پہچان رہا ہے مگر زبان سے کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا ہے۔

اس نے ایک بار آنکھیں بند کیں پھر کھولیں۔ پلک جھپکانے کے اس انداز سے خدا حافظ کہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔

سپاہی اسٹریچر اٹھا کر لے گئے۔ جیل کے باہر ایک گاڑی میں اسے پہنچا دیا گیا۔ کلپنا دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اور کیا کر سکتی تھی؟ آنسو تو بہتے ہی رہتے ہیں۔ کارواں تو گزرتا ہی رہتا ہے۔

واہگہ بارڈر پر اس کے والدین اسے لینے آئے تھے۔ انہوں نے بھی بیٹے کو اسٹریچر پر دیکھا تو لرز کر رہ گئے۔ باپ تڑپ کر آگے بڑھا۔ ماں صدمے کی حالت میں زمین پر گر پڑی۔ بیٹی زار و قطار روتی ہوئی اس بدنصیب ماں کو سنبھالنے لگی۔ اسٹریچر کو سرحدی لائن پر رکھ دیا گیا تھا۔ وہاں سے پاکستان شروع ہوتا تھا۔

باپ اور بھائی اسٹریچر کو اٹھانے والے تھے۔ ایسے ہی وقت محبوب کا ایک ہاتھ اٹھ گیا۔ وہ اشارے سے منع کر رہا تھا۔ اسٹریچر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ باپ اور بھائی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑا ہوا پھر ایک ایک قدم آگے بڑھا کر پاکستان پہنچ گیا۔ جہنم سے نکل کر جنت میں آ گیا۔ فرطِ عقیدت سے جھکتا چلا گیا۔

باپ اور بھائی نے اسے تھام رکھا تھا۔ وہ سجدے میں پہنچ گیا۔ "اے ارضِ وطن! تجھے سلام... تیری کشش نیم مردوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔"

باپ اور بھائی نے اسے سجدہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا کہ نماز اور سجدوں کو سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے...

سجدہ طویل ہو گیا۔

آہ...! وہ سجدہ ہی کیا، جو ٹمک جائے...

اس کا اختتام نہیں تھا۔

اے لوگو! کیا ایسی میت بھی ہوتی ہے جسے سجدے کی حالت میں اٹھایا جاتا ہے؟